نومبر ۹۶

تدبّر

زیرنگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن و حدیث

لاھور۔ پاکستان

نئے مطبوعات

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۵۶/= روپے

موضوعات: خدا کی ذات و صفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیر و شر۔ جبر و اختیار۔ آخرت اور جزا و سزا۔ نظام نبوت۔

○ مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اوّل ۸۷/= روپے

موضوعات:

اسوۂ حسنہ۔ جماعتِ اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات۔

○ اسلامی قانون کی تدوین ۴۸/= روپے

○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۲۰۰/= روپے

○ تفہیمِ دین ۵۴/= روپے

موضوعات:

قرآنیات۔ تحقیق حدیث و سنت۔ فلسفۂ دین
اسلامی نظام اجتماعی۔ قومی و ملی معاملات۔

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲- فیروز پور روڈ۔ اچھرہ۔ لاہور ۵۴۶۰۰
فون- ۷۵۸۰۸۰۰

تدبّر

نومبر 1994ء | شمارہ نمبر 48 | جمادی الثانی 1415ھ

ترتیب

تذکرہ و تبصرہ

مغرب کی ثقافتی یلغار ———— خالد مسعود 3

تدبر قرآن

تفسیر سورہ الحجر ———— خالد مسعود 7

تدبر حدیث

تعلیم و تعلم کے آداب ———— امین احسن اصلاحی/سعید احمد 13

مالی و اخلاقی جرائم کے فیصلے ———— امین احسن اصلاحی/سعید احمد 25

افاداتِ فراہیؒ

تفسیر قرآن کے اصول ———— خالد مسعود 35

مقالات

معاہدہ حدیبیہ کے اثرات و نتائج ———— خالد مسعود 44

تبصرہ کتب

اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج ———— محبوب سبحانی 55

مجلس ترتیب

- خالد مسعود (مدیر)
- عبداللہ غلام احمد
- ماجد خاور
- محبوب سبحانی
- سعید احمد

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

مطبع: المطبعۃ العربیۃ لاہور
قیمت =/10 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

مغرب کی ثقافتی یلغار

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نزول کے بیشتر حصہ میں اہل کتاب کی دلداری خاص طور پر ملحوظ رکھی گئی۔ ان کی جانب سے جب کوئی مثبت جواب نہ ملا تب ان کے لئے سخت لب و لہجہ استعمال کیا گیا تاہم ان سے مشرکین عرب سے الگ معاملہ کیا گیا اور جزیہ کی ادائگی کی شرط پر ان کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے فی الجملہ اہل کتاب کے ساتھ حسن سلوک ہی کا معاملہ کیا۔ اب یہ محض اتفاق تھا کہ مدینہ منورہ کی اسلامی مملکت کی شمالی و مغربی سرحدیں رومی سلطنت کے ساتھ ملتی تھیں اس لئے نصاریٰ کا مسلمانوں کے مقابلہ پر آنا ناگزیر ہو گیا اور وہ جنگوں میں بحیرہ روم کے گرد واقع اپنے زیر نگیں بعض علاقے گنوا بیٹھے۔ یہ علاقے جب مسلمانوں کی عملداری میں آئے تو ایمان و تقویٰ' عدل و قسط اور مساوات پر مبنی نظام حکومت نے رعایا کو نئی حکومت کا گرویدہ بنا دیا۔ یہ مثال دوسرے علاقوں کے لوگوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی اور وہ بھی خواہشمند ہوئے کہ مسلمان ان کو حکومتوں کے ظلم و استبداد سے نجات دلائیں۔ چنانچہ اسلامی مملکت کی سرحدیں سال بسال آگے بڑھتی چلی گئیں حتیٰ کہ ہسپانیہ' سسلی اور موجودہ ترکی کے علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے۔ یہ تمام علاقے پہلے نصاریٰ کے زیر نگیں تھے لہٰذا ان کو زخم خوردگی کا احساس ہوا۔ اس کا جواب انھوں نے شدید تعصب' جھوٹے پروپگنڈا' سازشوں اور جنگ و جدل سے دیا۔ قرآن مجید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا اور تحقیر آمیز بے بنیاد افسانے گھڑ کر لوگوں میں پھیلائے گئے۔ پورے یورپ میں عیسائیوں کے جذبات مشتعل کر کے ان کو مسلمانوں کے مرکزی علاقوں پر چڑھا لایا گیا جس کے نتیجہ میں صلیبی جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ سسلی اور ہسپانیہ کے علاقے عسائیوں نے مسلمانوں سے واپس لے لئے تو انھوں نے ترکی کے راستے یورپ میں پیشقدمی کر لی اور جنوب مشرقی یورپ کے بہت سے علاقے فتح کر لئے۔ اس طرح نصاریٰ کے دلوں میں انتقام کا جذبہ سرد نہ ہو سکا اور وہ نئے ولولے سے ترکوں کو نابود کرنے کی راہیں سوچنے لگے۔

ستارھویں صدی عیسوی میں بالعموم امت مسلمہ پر ادبار کے سائے منڈلانے لگے تو یورپ کو اس سے ہمہ گیر انتقام لینے کا موقع ملا۔ مسلمانوں پر سیاسی تفوق حاصل کرنے میں انھیں زیادہ مشکل پیش

نہیں آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنی فنی برتری کے بل بوتے پر ان کے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ اس تسلط کے باعث ان کو مسلمانوں کے معاشی استحصال کا موقع تو ملنا ہی تھا' اس کے علاوہ انھوں نے سیاست' تعلیم اور معیشت میں ایسی دور رس تبدیلیاں کر دیں جن کے باعث مسلمانوں کو ان کی دینی تعلیمات اور اخلاقی اقدار سے بے گانہ کرنے کے مقصد کے حصول میں نصاریٰ کو بڑی کامیابی ہوئی۔ یہ کوشش بھی کی گئی کہ پادریوں کے ذریعے تبدیل مذہب کا رجحان پیدا کیا جائے لیکن جب اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو ایسے طریقے اختیار کئے گئے جن کے نتیجہ میں مسلمان اگر عیسائی نہ بھی ہوں تو کم از کم وہ مسلمان بھی نہ رہیں۔

بیسویں صدی کے وسط میں مغربی اقوام نے اپنے مصالح کے تحت مسلمانوں کے علاقوں سے اپنا براہ راست تعلق ختم کر لیا لیکن اس سے پہلے ایسے ادارے قائم کر دیئے جن کے ہوتے ہوئے ان ریاستوں میں بالواسطہ حکومت کرنا ممکن رہے۔ چنانچہ ہر جگہ زمام کار ایسے لوگوں کے سپرد کی گئی جو اہل مغرب کے تربیت یافتہ اور آزمائے ہوئے تھے۔ مغربی دنیا کے دانشور آج غیر مبہم الفاظ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت امت مسلمہ ہمارے شکنجے میں ہے۔ جس طرح ایک کیکڑا اپنے بہت سارے پنجوں میں شکار کو دبوچ لیتا ہے تو وہ جب چاہے اور جدھر سے چاہے اس پر اپنی گرفت مضبوط کر سکتا ہے' ٹھیک اسی طرح امت مسلمہ آج مغرب کے پنجوں میں گرفتار ہے اور وہ جب اور جیسے چاہیں اس کو ہر طرح سے زک پہنچانے پر قادر ہو چکے ہیں۔ کسی اسلامی ملک کی فوج کو شکست سے دو چار کرنا ہو' اس کی معیشت کو تباہ کرنا ہو' اس کے حکمرانوں کو تبدیل کرنا ہو' اس کی پالیسیوں کو اپنے مفاد میں ڈھالنا ہو' یہ سب کچھ نہایت آسانی سے کرنا ممکن ہو چکا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ڈپلومیسی کی زبان سے وہ عناد اور تعصب ہرگز ظاہر نہیں ہونے دیا جاتا جو اہل مغرب کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف پایا جاتا ہے۔ اور یہ تمام کام بالواسطہ طریقہ سے کر لئے جاتے ہیں۔

سوویت یونین کے متعلق اب یہ رائے بھی دی جاتی ہے کہ وہ امریکہ ہی کی پالیسی کے تحت قائم رہی اور جب اس سے مطلوبہ مقاصد حاصل ہو گئے تو اس کے حصے بخرے کر دیئے گئے۔ اس کے خاتمہ کے بعد امریکہ کے صدر کا یہ بیان آیا کہ اب امریکہ کا مقابلہ اسلام سے ہے اور نیو ورلڈ آرڈر کے تحت مسلم ریاستوں کے ساتھ اب معاملہ سختی سے کیا جائے گا۔ اس بیان میں اس انتقامی جذبہ کی جھلک موجود ہے جو اہل مغرب کے دلوں میں اسلام کے خلاف پایا جاتا ہے۔ اس پالیسی کے تحت مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے وہ ہر صاحب ایمان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ اس سے بھی شدید تر عذاب وہ تہذیبی و ثقافتی یلغار ہے جو میڈیا یعنی اخبارات و رسائل' فلموں' ٹی وی' اور وی سی آر کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ اس یلغار کے مقاصد میں مسلمانوں کو مرعوب کرنا' اسلامی تعلیمات کو بے وقعت قرار دینا' اسلام کے دشمنوں کے قصیدے پڑھنا' دین کے

خادموں کے لئے دہشت گرد اور تخریب کار کے القاب استعمال کرنا اور مغربی ثقافت اور رسوم و رواج کو قابل تقلید رویہ کی حیثیت سے روشناس کرانا شامل ہے۔ اس ثقافتی یلغار کا مشاہدہ ہر ملک میں ہو رہا ہے ہمارے اپنے ملک کا میڈیا اس وقت سب سے زیادہ جس طبقہ کو معزز بنا کر پیش کر رہا ہے وہ ناچنے والوں' اداکاروں' اداکاراؤں' گانے والوں اور گانے والیوں کا طبقہ ہے۔ یہ اپنے پروگراموں میں شعائر اسلام کا برملا مذاق اڑاتے اور بداخلاقیوں کا پرچار کرتے ہیں۔ جو غیر اخلاقی مناظر پہلے سینماؤں تک محدود تھے اب ان کو ٹی وی کی نشریات نے گھر گھر پہنچا دیا ہے اور ان سے نفرت کا احساس روز بروز مردہ ہو رہا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ میڈیا بڑی تیزی سے ہمیں دینی اقدار سے بے گانہ کر دے گا۔

اہل مغرب ہر کام ڈھنگ سے کرتے ہیں۔ انھوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو سکرین کی راہ سے بداخلاقی کی ترغیب دینے میں کامیابی ہوئی ہے اور یہ امت اس چیلنج کا مقابلہ نہیں کر سکی تو اب انھوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور عین امت مسلمہ کے قلب میں نام نہاد بہبود آبادی کانفرنس منعقد کی۔ اس میں کثیر تعداد میں مسلمان ممالک کو کانفرنس کے معینہ مقاصد کے لئے کام کرنے پر تیار کیا گیا۔ اس کانفرنس کے مقاصد سراسر خلاف اسلام ہیں جن کی تفصیل پریس میں آ چکی ہے۔ لیکن اسلامی ممالک کے وفود نے ان کو بہ دل و جان قبول کر لیا۔ کانفرنس کی منظور کردہ قرارداد میں ایک شق جو بظاہر اس مقصد سے داخل کروائی گئی ہے کہ ہر ملک اپنے نظریہ حیات کی روشنی میں بہبود آبادی کا پروگرام وضع کرے گا' وہ حقیقت میں ایسی مٹھاس ہے جو کسی کڑوی گولی پر چڑھا دی جاتی ہے تاکہ اس کو نگلنے میں آسانی رہے۔ اس کانفرنس کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ جس طرح مغربی تہذیب نے اپنے ہاں لوگوں کو مادر پدر آزادی دے کر جنسی بے راہ روی عام کر دی ہے' لوگوں کے دلوں سے حرام کاری کے لئے احساس گناہ کو ختم کر دیا ہے اور کنبہ کا نظام تباہ کر کے انسانوں کو جانوروں کا ایک گلہ تصور کر لیا ہے' ٹھیک اسی طرح یہ وبا مسلم معاشرے میں بھی پھیلا دی جائے تاکہ مسلمانوں کی عفت و پاکیزگی کی روایات کو ختم کیا جا سکے۔ اگر ایسا کرنا ممکن ہو گیا تو مغرب مسلمانوں سے اپنا انتقام پوری طرح لینے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس تشویش ناک صورت حال میں جو تلخ حقیقت نہایت تکلیف دہ بن کر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں حکومتوں کی تبدیلی کے لئے تو مارچ ہوتے اور مارکیٹیں بند ہوتی ہیں لیکن پورے ملک میں کسی گوشے سے اس اخلاقی فساد کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوتی۔ ہمارے نام نہاد مصلحین ہوں یا علماء' ارباب سیاست ہوں یا ارباب تعلیم' سب کے سب اپنی اپنی دنیا میں اس قدر کھوئے ہوئے ہیں کہ وہ اس خطرناک صورت حال کے مقابلہ کے لئے مل بیٹھ کر کوئی راہ نکالنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔ چنانچہ مسلمان معاشرہ کے اندر فضا یورپی ثقافت کو قبول کرنے کے لئے خاصی تیار ہوتی جا رہی ہے۔ اگر ایک مرتبہ اس نے جڑیں پکڑ لیں تو پھر اس کی اصلاح کرنا کسی کے بس میں

نہیں رہے گا۔ مغرب کو عرصہ سے یہ شکوہ تھا کہ دوسرے اہل مذاہب نے اپنے اپنے مذہب کو لادینیت میں ڈھال لیا ہے، مسلمان ایسا کیوں نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بداخلاقی کی راہ سے مسلمانوں کے اندر یہ تبدیلی پیدا کرنے کے امکانات خاصے روشن ہیں۔

اس صورت حال کا مقابلہ اس طور کیا جا سکتا ہے کہ دین کے علم کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی سعی کی جائے اور ان کو مغربی تہذیب کے مفاسد سے آگاہ کیا جائے، مسلم ممالک میں تعلیم کے اندر دین کی مقدار بڑھائی جائے اور اس میں اخلاقیات کا عنصر نمایاں کیا جائے، اپنے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں پر تنقید کی جائے اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ان کو معقول روش اپنانے پر مجبور کیا جائے۔ اس صورت میں یہ ممکن ہو سکے گا کہ لوگوں کا ایمان و اخلاق محفوظ رہ جائے اور امت مسلمہ مغرب کی خوفناک یلغار سے بچ سکے۔

صفحہ 43 سے آگے: تفسیر قرآن کے اصول

طرف بھی قرآن کا قاری متوجہ ہو جاتا ہے۔ لہذا ان کی طرف سے غفلت کا کوئی جواز نہیں۔

لیکن جب عمود کا تعین کرنے یا نظام کو سمجھنے کے لئے سورہ پر غور کیا جاتا ہے تو اس کے لئے کلمات اور سیاق کلام پر غور لازم ہوتا ہے۔ اس غور کے نتیجہ میں سورہ کے بعض دوسرے مقامات ابھر آتے ہیں اور دوسرے پہلو سے ان عظیم الشان اور نمایاں آیات کی جگہ لے لیتے ہیں۔

2- چھوٹی بڑی ہر سورہ کے اندر ایسی نمایاں آیات ہیں جو اس کے ساتھ خاص ہیں اور وہ مخفی نہیں رہ سکتیں۔ سورہ جس قدر چھوٹی ہوتی ہے اس کی یہ صفت اسی قدر بڑی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان کا معاملہ بے حد اہم ہو جاتا اور اس لائق ہوتا ہے کہ ان آیات کے مواقع کو واضح کرنے کے لئے تفصیل سے بحث ہو تاکہ اس سے یہ بھی واضح ہو جائے کہ اللہ تعالی نے چھوٹی سورتوں کو نہایت عظیم حکمت کے تحت مستقل سورتیں بنایا ہے جیسا کہ سورہ العصر، سورہ کوثر، اور سورہ اخلاص میں تم دیکھو گے کہ یہ چھوٹی سورتیں بعض پہلوؤں سے بہت بڑی ہیں۔

3- سورہ کی نمایاں آیات اگرچہ فی الجملہ بے حد اہم اور توجہ کو اپنی طرف منعطف کرنے والی ہیں لیکن ان کو بطور عمود اختیار کر کے ان سے ہرگز دھوکہ نہ کھانا چاہئے کیونکہ عمود وہ چیز ہے جو سورہ کو وحدانیت دیتی اور آگے پیچھے کی سورتوں کے ساتھ مناسبت عطا کرتی ہے۔

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورہ الحجر

یہ الف، لام، را ہے۔ یہ کتاب الہی اور ایک واضح قرآن کی آیات ہیں ○ وہ وقت آئیں گے جب یہ لوگ، جنھوں نے کفر کیا ہے، تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلم بنے ہوتے ○ ان کو چھوڑو، کھا پی لیں، عیش کر لیں اور آرزوؤں میں مگن رہ لیں۔ عنقریب یہ جان لیں گے (1) ○ ہم نے جس قوم کو بھی ہلاک کیا ہے اس کے لئے ایک معین نوشتہ رہا ہے ○ کوئی قوم نہ اپنی مدت مقررہ سے آگے بڑھتی نہ پیچھے ہٹتی ○ اور یہ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر یاد دہانی اتاری گئی ہے تم تو ایک خبطی ہو ○ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے ○ ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر فیصلہ کے ساتھ اور اس وقت ان کو مہلت نہیں ملے گی ○ یہ یاد دہانی ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (2) ○ اور ہم نے تم سے پہلے بھی اگلے گروہوں میں اپنے رسول بھیجے تو جو رسول بھی ان کے پاس آتا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے ○ ہم مجرموں کے دلوں میں اس کو اسی طرح اتارتے ہیں ○ یہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے (3) اور اگلوں کی سنت گزر چکی ہے ○ اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیتے جس میں وہ چڑھنے لگتے تب بھی یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں مدہوش کر دی گئی ہیں بلکہ ہم سب پر جادو کر دیا گیا ہے ○ 15

مضمون: قرآن ایک واضح حجت ہے جو کسی خارجی نشانی یا معجزے کا محتاج نہیں ہے۔ فرشتوں کے ظہور کا مطالبہ کرنے والی قوم خطرناک انجام سے دوچار ہوتی ہے۔

1- کفار آنحضرت ﷺ کو طنزیہ انداز میں کہتے کہ تم ہم کو تو عذاب کی دھمکی سنا رہے ہو اور اپنے لئے فوز و فلاح کے مدعی ہو درآں حالیکہ ہمارے حالات تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے حالات سے بہتر ہیں۔ یہ صورت حال تو صاف ظاہر کرتی ہے کہ تم ایک خبطی آدمی ہو۔

2- یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ اگر قریش قرآن عظیم کی قدر نہیں کر رہے ہیں تو تم اس کا غم نہ کرو۔ یہ کتاب تم نے ہم سے مانگ کے تو لی نہیں ہے کہ تم پر لوگوں سے اس کو قبول کروانے کی ذمہ داری ہو۔ تم پر ذمہ داری صرف تبلیغ و دعوت کی ہے۔ رہا اس کی حفاظت اور اس کے قیام و بقا کا مسئلہ تو اس کا انتظام ہم کریں گے۔ اللہ تعالی نے یہ وعدہ کن کن شکلوں میں پورا فرمایا تاریخ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

3- یعنی اللہ کے رسولوں کی دعوت چیز ہی ایسی ہے کہ نافرمانیوں میں ڈوبے ہوئے مجرمین اس کو ٹھنڈے پیٹوں نہیں برداشت کرتے۔ یہ چیز ان کو تیر و نشتر کی طرح چبھتی ہے، چنانچہ یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیدہ بینا رکھنے والوں کے لئے اس کو مزین کیا ○ اور ہر شیطان مردود کی دراندازی سے اس کو محفوظ کیا ○ اگر کوئی سن گن لینے کے لئے چوری چھپے کان لگاتا ہے تو ایک دہکتا شہاب اس کا تعاقب کرتا ہے (4) ○ (18)

اور زمین کو ہم نے بچھایا اور ہم نے اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے اور اس میں ہر قسم کی چیزیں تناسب کے ساتھ اگائیں ○ اور ہم نے اس میں تمہاری معیشت کے سامان بھی رکھے اور ان کی معیشت کے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے ○ اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں لیکن ہم اس کو ایک معین اندازے کے ساتھ ہی اتارتے ہیں (5) ○ 21

اور ہم ہی ہواؤں کو بار آور بنا کر چلاتے ہیں' پھر آسمان سے پانی برساتے اور تم کو اس سے سیراب کرتے ہیں اور یہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم اس کے ذخیرے جمع کر کے رکھتے ○ 22

اور بے شک یہ ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں ○ اور ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کو بھی جانتے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں ○ اور بے شک تمہارا خداوند ہی ہے جو ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ بے شک وہ علیم اور حکیم ہے ○ 25

اور بے شک (6) ہم ہی نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ○ اور اس سے پہلے جنوں کو آتش سموم سے پیدا کیا ○ اور یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں (7) ○ تو جب میں اس کو مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک لوں تو تم اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا

4- یہ کائنات میں پھیلی ہوئی ان نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت دی ہے جن میں سے ہر نشانی ایک معجزہ ہے۔ خدا نے آسمانوں میں قلعے بنا دیئے ہیں جن میں ملائکہ کی فوجیں مامور رہتی اور شیاطین جن وانس کو حدود سے آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے ان پر دہکتے شہاب کی سنگباری کرتی ہیں۔

5- یعنی خدا نے دنیا میں جو چیز بھی پیدا کی ہے ایک خاص توازن و تناسب کے ساتھ پیدا کی ہے اور اسی کے اوپر دنیا کے قیام و بقا کا انحصار ہے۔ اگر وہ کسی چیز کو بھی اسکی حد مطلوب و معین سے متجاوز ہو جانے کے لئے چھوڑ دیتا تو اس زمین کا سارا نظام درہم برہم ہو کے رہ جاتا۔

6- آدم اور ابلیس کے اس ماجرے کا حوالہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے دیا ہے کہ مخالفین کے کفر اور تکبر کا اصل سبب یہ نہیں ہے کہ رسولوں کی باتوں کی صداقت ثابت کرنے کے لئے دلیلیں موجود نہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ ذریات ابلیس کے اس فریب میں آئے ہوئے لوگ ہیں جس کی دھمکی ابلیس نے آدم کو سجدہ کے انکار کے بعد دی تھی۔

7- زمین کے تمام جانداروں کی زندگی کا آغاز پانی اور کیچڑ ہی سے ہوا ہے۔ انسان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ البتہ اس کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں سے آراستہ کیا جو اس کے مقصد تخلیق کے لئے ضروری تھیں۔

(8) ○ تو تمام فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا ○ بجز ابلیس کے۔ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا ○ پوچھا اے ابلیس' تیرا کیا معاملہ ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دے ○ وہ بولا میں ایک ایسے بشر کو سجدہ کرنے کو تیار نہیں جس کو تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ○ فرمایا' یہ بات ہے تو تو یہاں سے نکل کہ تو راندۂ درگاہ (9) ہوا ○ اور روز جزا تک تجھ پر لعنت ہے ○ اس نے کہا اے میرے رب تو مجھے اس دن تک کے لئے مہلت دے دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے ○ فرمایا' اچھا' روز معین تک مہلت پانے والوں میں سے تو بھی ہے ○ بولا' اے رب' چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا (10) میں زمین میں دنیا کو ان کی نگاہوں میں کھباؤں گا اور ان میں سے تیرے خاص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا ○ فرمایا' یہ ایک سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے (11) ○ میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا بجز ان کے جو گمراہوں میں سے تیرے پیرو بن جائیں ○ اور ان سب کے لئے جہنم ہی موعود ہے ○ اس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لئے ان کا ایک مخصوص حصہ ہوگا (12) ○ خدا ترس بندے باغوں اور چشموں میں ہوں گے ○ رہو ان میں سلامتی کے ساتھ نچنت ہو کر ○ ان کے سینوں کی کدورتیں ہم نکال دیں گے۔ وہ آمنے سامنے بھائی بھائی کی طرح تختوں پر براجمان ہوں گے ○ اس میں نہ تو ان کو کوئی تکان لاحق ہوگی اور نہ وہ اس سے نکالے ہی جائیں گے ○ 48

میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ بے شک میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں ○ اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا ہی دردناک ہے ○ اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں سے متعلق بھی آگاہ کردو ○ جب وہ

8- اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر ایک نور یزدانی بھی ودیعت ہوا ہے جو اس کے تمام روحانی کمالات کا سرچشمہ ہے اور اس کے واسطہ سے وہ خدا سے جڑتا ہے' بشرطیکہ وہ اس کی پوری حفاظت کرے۔

9- سجدہ کا حکم فرشتوں اور جنوں کے لئے ایک امتحان تھا جس میں فرشتے کامیاب رہے لیکن ابلیس جو جنوں میں سے تھا اپنے غرور و تکبر کے سبب سے اس میں ناکام رہا۔ سرکشی کے جرم میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ملعون اور مردود قرار دے کر جنت سے نکلنے کا حکم دیا۔

10- ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرنے کے معاملہ میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا تھا اس وجہ سے اس نے اپنی گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔

11- یعنی میں دنیا اور اس کی مرغوبات کو انسان کی نگاہوں میں کھباؤں گا اور وہ ان کی طمع اور محبت میں اس طرح پھنس جائے گا کہ نہ اسے یاد رہے گا کہ وہ مجبور ملائکہ ہے' نہ اس کو کچھ آخرت کا ہوش رہے گا اور نہ وہ تیری توحید پر قائم رہے گا۔ سیدھی راہ سے مراد توحید کی راہ ہے۔

12- یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ انسان کو جہنم کی راہ پر ڈالنے والے اور اس کو تباہ کرنے والے گناہ اپنی اصل کے اعتبار سے سات ہیں۔ یہ شرک' قطع رحم' قتل' زنا' جھوٹی شہادت' کمزوروں پر ظلم اور بغی و سرکشی کے گناہ ہیں۔ قرآن نے ان میں سے ہر ایک کی تفصیل بتائی ہے اور ان کو

اس کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کہا۔ اس نے کہا ہم تو آپ لوگوں سے اندیشہ ناک ہیں (13) ○ وہ بولے کہ آپ کوئی اندیشہ نہ کریں، ہم آپ کو ایک ذی علم فرزند کی بشارت دیتے ہیں ○ وہ بولا کہ کیا جب کہ مجھ پر بڑھاپا آچکا آپ لوگوں نے یہ بشارت دی تو یہ کس بل پر بشارت دے رہے ہیں (14) ○ انہوں نے کہا ہم نے آپ کو ایک امر واقعی کی بشارت دی ہے تو آپ نا امید ہونے والوں میں سے نہ ہوں ○ اس نے کہا کہ اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا اور کون نا امید ہو سکتا ہے ○ 56

اس نے پوچھا اے فرستادو! آپ لوگوں کے سامنے مہم کیا ہے ○ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ○ بس آل لوط اس سے مستثنیٰ ہیں، ہم ان سب کو بچا لیں گے ○ بجز اس کی بیوی کے۔ اس کو ہم نے تاک رکھا ہے وہ بے شک پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی ○ 60

تو فرستادے جب آل لوط کے پاس پہنچے ○ اس نے کہا آپ لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہیں ○ انہوں نے کہا ہم تمہارے پاس وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے باب میں یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے تھے ○ اور ہم تمہارے پاس ایک شدنی لے کر آئے ہیں اور ہم بالکل ٹھیک بات کہہ رہے ہیں ○ تو تم راتوں رات اپنے اہل و عیال کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ اور تم ان کے پیچھے پیچھے چلیو اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کے بھی نہ دیکھے اور وہیں جاؤ جہاں کے لئے تمہیں حکم ہے ○ اور ہم نے اپنے اس فیصلہ سے اس کو آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کٹ کے رہے گی ○ 66
اور شہر والے خوش خوش آ پہنچے ○ اس نے کہا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں تو تم لوگ مجھے رسوا نہ کرو ○ اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو (15) ○ وہ بولے کہ کیا ہم نے تم کو دوسروں کی آمد

روکنے کے لئے حکم دیئے ہیں۔

-13 حضرت ابراہیم علیہ السلام اس حقیقت سے باخبر تھے کہ فرشتوں کا یوں علانیہ آنا کسی مہم ہی کے لئے ہو سکتا ہے اس وجہ سے انہوں نے اپنے اندیشے کا ان کے سامنے اظہار کر دیا۔

-14 ظاہری حالات کے اعتبار سے اس بشارت کا ظہور میں آنا نہایت مستبعد تھا اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے چاہا کہ اگر یہ بشارت من جانب اللہ ہے تو اس کی تصریح کرا لیں۔ وضاحت ہو جانے پر انہوں نے کہا کہ ان کا سوال خدا کے فضل و رحمت سے مایوسی کی بنا پر نہیں تھا بلکہ محض ظاہری اسباب کی نا مساعدت (اپنا بڑھاپا اور زوجہ کا بانجھ پن) کی بنا پر تھا۔

-15 حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں فرشتے خوبرو لڑکوں کی صورت میں پہنچے جن کو دیکھ کر بستی کے بدمعاشوں نے ان کے گھر پر ہلہ بول دیا کہ اچھا شکار ہاتھ آیا ہے۔ حضرت لوطؑ نے ان کو اپنی عزت و آبرو کا بھی واسطہ دیا اور خوف خدا کا بھی حوالہ دیا لیکن ان کی التجا بدمعاشوں میں اخلاقی حس بیدار نہ کر سکی۔

و شد سے روکا نہیں تھا ○ اس نے کہا اگر تم کچھ کرنے ہی پر تلے ہوئے ہو تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں (16) ○ تیری جان کی قسم یہ لوگ اپنی سرمستی میں اندھے ہوئے ہیں ○ تو دن نکلتے ہی ان کو ہماری ڈانٹ نے آپکڑا اور ہم نے اس سرزمین کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور ان پر سنگ گل کی بارش کر دی ○ بے شک اس سرگزشت میں بصیرت حاصل کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں ○ اور یہ بستی ایک شاہراہ عام پر ہے ○ بے شک اس سرگزشت کے اندر اہل ایمان کے لئے بڑی نشانی ہے ○ 77

اور بے شک بن والے بھی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے (17) ○ تو ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اور یہ دونوں ہی کھلی شاہراہ پر واقع ہیں ○ اور حجر والوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی (18) ○ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے روگردان ہی رہے ○ اور وہ پہاڑوں کو تراش کر چین سے گھر بناتے تھے ○ تو ان کو صبح تڑکے ہماری ڈانٹ نے آپکڑا ○ تو جو کچھ وہ کرتے رہے تھے ان کے کچھ کام نہ آیا ○ 84

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے غایت کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور بلاشبہ قیامت شدنی ہے (19) تو ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کرو ○ تمہارا رب بڑا ہی پیدا کرنے والا اور علم والا ہے ○ اور ہم نے تم کو سات مثانی اور قرآن عظیم عطا کئے (20) ○ ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو جن چیزوں سے بہرہ مند کر رکھا ہے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو اور نہ ان کی حالت پر غم کرو اور اپنی شفقت کے بازو اہل ایمان پر جھکائے رکھو ○ اور کہہ دو کہ میں تو بس ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں ○ اسی طرح ہم نے ان تقسیم کر لینے والوں پر بھی اتارا تھا ○

-16 گنڈوں نے اپنے اقدام کے لئے جب یہ جواز پیش کر دیا کہ تم باہر کے لوگوں سے ساز باز رکھتے ہو تو انہوں نے اپنی قوم کے ضمیر کو جھنجوڑنے کے لئے آخری تدبیر کی اور فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے ان کے ساتھ کر لو لیکن خدارا میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ کوئی واقعی پیشکش نہیں تھی بلکہ اسی طرح کی بات تھی جس طرح ایک اعلیٰ کردار کا آدمی دوسرے کی آبرو بچانے کے لئے اپنی جان اور اپنے وقار کو خطرے میں ڈال دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

-17 بن والوں سے مراد اصحاب مدین ہیں جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی۔

-18 حجر شمالی عرب اور شام کے درمیانی علاقہ کو کہتے ہیں جو قوم ثمود کا مسکن تھا۔

-19 یعنی یہ دنیا کوئی بازیچہ اطفال نہیں ہے کہ لوگ اس میں جو چاہیں کرتے پھریں اور ان سے کوئی باز پرس نہ ہو، لہٰذا قیامت شدنی ہے، وہ آ کے رہے گی۔

-20 مثانی مثنی کی جمع ہے۔ مثنی اس چیز کو کہتے ہیں جو دو دو کر کے ہو۔ قرآن مجید کی تمام سورتیں مضامین کے لحاظ سے جوڑا جوڑا ہیں اور پورے قرآن میں مشترک مضامین رکھنے والی سورتوں کے سات مجموعے بن گئے ہیں۔ ہر مجموعہ ایک یا ایک سے زیادہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک

جنھوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیئے (21) ○ تو تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے ان کے ان اعمال کی باز پرس کریں گے ○ جو یہ کرتے رہے ہیں ○ تو جو کچھ تمھیں حکم ملا ہے اس کو آشکارا طور پر سنا دو اور مشرکوں سے اعراض کرو ○ ہم ان مذاق اڑانے والوں سے' جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود شریک کرتے ہیں' تمھاری طرف سے نمٹنے کے لئے کافی ہیں ○ سو وہ عنقریب جان لیں گے ○ اور ہم کو معلوم ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے تمھارا دل تنگ ہوتا ہے ○ تو تم اپنے رب کی اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے بنو ○ اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو یہاں تک کہ امر یقینی تم پر آشکارا ہو جائے (22) ○ 99

سے زیادہ مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ یہ ساتوں مجموعے احقاق حق اور ابطال باطل کے سات خدائی لشکر ہیں۔ نبی ﷺ کو یہاں تسلی دی ہے کہ اس روحانی و علوی لشکر کے رکھتے ہوتے تم اپنے مخالفوں کے مقابلہ کے لئے اب کسی اور چیز کے محتاج نہیں رہے ہو۔

-21 یہ اشارہ یہود کی طرف ہے جنھوں نے حق کو چھپانے کے لئے اپنے قرآن یعنی تورات کے حصے بخرے کر دیئے۔ اس کے بعض کو چھپاتے اور بعض کو ظاہر کرتے تھے۔

-22 یعنی حصول صبر و استقامت کے لئے اپنے رب کی تسبیح کرو اور اس کی عبادت میں لگے رہو تا آنکہ صبح یقین طلوع ہو جائے یعنی ہر وہ بات واقعہ ثابت ہو کے رہے جس کی تم لوگوں کو خبر دے رہے ہو۔

تعلیم و تعلم کے آداب

(صحیح بخاری کی کتاب العلم کی روایات)

باب نمبر67 تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفد عبدالقیس علی ان یحفظ الایمان و العلم و یخبرو امن وراء ھم وقال مالک بن الحویرث قال لنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارجعو الی اھلیکم فعلموھم۔

❏ ۔ یہ باب اس بارے میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس کے ارکان کو اس بات پر ابھارا کہ وہ ایمان اور علم کو محفوظ کریں اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں ان کو اس سے آگاہ کریں۔ مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اپنے اہل و عیال میں واپس جاؤ اور ان کو دین سکھاؤ۔

وضاحت :-

اس باب کے تحت روایتوں میں یہ بات بیان ہو گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس بات پر ابھارا ہے کہ جو دین وہ سیکھیں وہ دوسروں کو بھی سکھائیں۔ ذمہ داری صرف سیکھنے کی ہی نہیں' سکھانے کی بھی ہے۔

-87 حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر قال حدثنا شعبۃ عن ابی جمرۃ قال کنت اتر جم بین ابن عباسؓ و بین الناس فقال ان وفد عبدالقیس اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال من الوفد او من القوم'

قالو اربیعتہ فقال مرحبا" بالقوم او بالوفدغیر خزایا ولا ندامی' قالوا انا ناتیک من شقتہ بعیدہ و بینک و بینک ہذا الحی من کفار مضر ولا نستطیع ان ناتیتک الا فی شہر حرام فمرنا با مر نخبربہ من وراء نا ندخل بہ الجنتہ فامر ہم باربع ونہا ہم عن اربع' امرہم بالایمان باللہ وحدہ قال ھل تدرون من ایمان باللہ وحدہ قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال شہادۃ ان لاالہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ و اقام الصلواۃ و ایتاء الزکواۃ وصوم رمضان و توتوا الخمس من المغنم و نہا ہم عن الدباء والحنتم والمزفت قال' شعبہ و ربما قال النقیر و ربما قال المقیر قال احفظوا و اخبروا من وراتکم۔

❑ ... ابی جمرہ سے روایت ہے کہ میں ابن عباسؓ اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کا فرض ادا کرتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب عبدالقیس کا وفد آیا تو آپؐ نے پوچھا کون وفد ہے یا کس قوم کے لوگ ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ربیعہ قبیلے کے لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مرحبا' مبارک ہو آپ لوگوں کی تشریف آوری۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم بہت دور سے آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا قبیلہ مضر حائل ہے۔ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم اشہر حرم کے سوا اور کسی موقعہ پر آ سکیں۔ آپ ہمیں کچھ ایسی باتیں بتائیں جن سے ہم اپنے پیچھے والے لوگوں کو باخبر کریں اور ان سے ہم جنت میں داخل ہونے کا سامان فراہم کریں۔ آپؐ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع کیا۔ آپ نے ان کو ایک اللہ پر ایمان کا حکم دیا اور پھر آپ نے سوال کیا کہ ایک اللہ پر ایمان کا مطلب سمجھتے ہو تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز کا قیام' زکواۃ کی ادائیگی' رمضان کے روزے اور یہ کہ جو غنیمت پاؤ تو اس میں خمس (پانچواں حصہ) ادا کرو۔ اور آپؐ نے ان کو دبا' حنتم' مزفت کے اندر نبیذ بنانے سے روکا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ چوتھی چیز کا نام ابوجمرہ نے کبھی نقیر لیا اور کبھی مقیر۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھو اس تعلیم کو اچھی طرح محفوظ کر لو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں ان کو سکھاؤ۔

وضاحت :-

روایت میں غیر خزایا ولا ندامی کا محاورہ خوش آمدید کا مفہوم دیتا ہے۔ اس کے معنی ہیں ہر ناکامی و نامرادی سے محفوظ رہو ۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارا آنا مبارک ہو اور جانا بھی مبارک ہو۔ یہ روایت باب 40 اداء الخمس من الایمان کے تحت روایت نمبر51 کی صورت میں گذر چکی ہے۔ دیکھئے تدبر سلسلہ نمبر22- یہ ایک حقیقت ہے کہ محض دین سیکھنے سے فرض ادا نہیں ہو جاتا۔ اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق دوسروں کو سکھانا بھی ضروری ہے۔

باب نمبر68 : الرحلتہ فی المسئلہ النازلہ

❑ ۔ کسی پیش آنے والے مسئلہ کو معلوم کرنے کے لئے سفر کرنا

باب کے تحت آنے والی روایات میں مسئلہ کا حل معلوم کرنا' پھر اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو تعلیم دینا بھی شامل ہے اگرچہ امام بخاریؒ نے باب صرف اس پر باندھا ہے کہ مسئلہ معلوم کرنے کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔

88 - **حدثنا محمد بن مقاتل ابوالحسن قال انا عبداللہ قال انا عمر بن سعید بن ابی حسین قال حدثنی عبداللہ بن ابی ملیکتہ عن عقبتہ بن الحارث انہ تزوج ابنہ لابی اہاب بن عزیز فاتتہ' امراۃ فقالت انی قدار ضعت عقبتہ والتی تزوج بہا قال لہا عقبتہ ماعلم انک ارضعتنی ولا اخبرتنی فرکب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینہ فسالہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف و قد قیل ففار قہا عقبتہ و نکحت زوجا غیرہ**

❑ ... عقبہ بن حارث کہتے ہیں کہ انہوں نے ابی اھاب بن عزیز کی ایک لڑکی سے نکاح کیا۔ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے عقبہ کو بھی دودھ پلایا ہے اور اس لڑکی کو بھی جس سے اس نے نکاح کیا ہے۔ عقبہ نے کہا مجھے تو علم نہیں کہ آپ نے مجھے دودھ پلایا اور نہ ہی آپ نے مجھے اس کی خبر دی۔ پھر عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ پہنچنے کے لئے سفر کیا اور آپ سے مسئلہ پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات جب کہہ دی گئی ہے تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عقبہ نے بیوی کو علیحدہ کر دیا اور اس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔

وضاحت :-

ہمارے ہاں اب رضاعت کا مسئلہ نہیں رہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ بہت ہی اہم مسئلہ تھا۔ رضاعت کی وجہ سے لڑکی لڑکے میں نکاح کی حرمت لاحق ہو جاتی ہے اور وہ رضاعی بہن بھائی بن جاتے ہیں۔ ان کے درمیان زوجیت کا رشتہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے رضاعت کی گواہی ملنے پر عقبہ نے بیوی کو طلاق دے دی اور اس عورت نے دوسرا نکاح کر لیا۔

مسئلہ دریافت کرنے کے لئے سفر کرنا بالکل عقل عام کی بات ہے۔

69:- التناوب فی العلم۔

❑ ۔ علم حاصل کرنے کے لئے باری مقرر کرنا۔

89:- حدثنا ابو الیمان قال انا شعیب عن الزہری ح قال و قال ابن وہب انا یونس عن ابن شہاب عن عبید اللہ بن عبد اللہ ابن ابی ثور عن عبد اللہ بن عباس عن عمر رضی اللہ عنہ قال کنت انا وجار لی من الانصار فی بنی امیہ بن زید وہی من عوالی المدینہ و کنا نتناوب النزول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل یوما و انزل یوما فاذا نزلت جئتہ بخبر ذالک الیوم من الوحی وغیرہ و اذا نزل فعل مثل ذالک فنزل صاحبی الانصاری یوم نوبتہ فضرب بابی ضربا" شدید افقال اثم ہو ففزعت فخرجت الیہ فقال حدث امر عظیم فدخلت علی حفصۃ فاذا ہی تبکی فقلت اطلقکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت لا ادری ثم دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت وانا قائم اطلقت نسائک قال لا فقلت اللہ اکبر۔

❑ ۔ عبداللہ بن ابی ثور عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عمرؓ سے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اور میرے ایک انصاری پڑوسی بنو امیہ بن زید کے محلے میں' جو مدینہ کے بالائی حصہ میں تھا' رہتے تھے۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے باری ٹھہرا لی تھی۔ ایک دن وہ وہاں جاتے اور دوسرے دن میں جاتا تھا۔ جب میری باری ہوتی تو میں ان کے پاس اس دن کی وحی اور دوسری چیزوں کی خبر لاتا۔ جب وہ جاتے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔ ایک دن میرے یہ انصاری بھائی اپنی باری کے دن آئے اور انہوں نے بہت زور سے دروازہ پیٹا اور پوچھا کیا عمر یہیں ہیں۔ اس پر میں گھبرا کر باہر نکلا تو انہوں نے کہا کہ عظیم حادثہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ میں حفصہؓ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے پوچھا کیا تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی ہے؟ انہوں نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو میں نے کھڑے ہی کھڑے یہ پوچھا کہ کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس پر میں نے اللہ اکبر کہا۔

وضاحت :-

اس روایت کا عنوان باب تعلیم کے لحاظ سے مناسب ہے کہ حصول علم کے لئے باری مقرر کر لی جائے۔ اگر آپ روزانہ تعلیمی حلقے میں جانے کی فرصت نہیں پاتے تو اپنے کسی با اعتماد ساتھی سے' جس کو آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ بات سمجھتا ہے' معاملہ کر لیں کہ ایک دن تم حلقے میں جایا کرو اور ایک دن میں۔ اور جو تم سنو مجھے بتا دیا کرو اور جو میں سنوں گا میں تمہیں بتا دیا کروں گا۔ اگر یہ کام

امت کے اتنے بڑے آدمی نے کیا ہے تو دوسرے لوگ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ یہ بہت ہی مناسب طریقہ ہے۔

اس روایت میں امر عظیم یعنی بڑے حادثے کی اصلی بات ہی چھوڑ دی گئی ہے۔ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ کیا حادثہ ہوا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس معاملے کا پہلے سے ذہنوں میں خیال ہو۔ خبر سنتے ہی حضرت عمرؓ تاڑ گئے ہوں اور فورا" حضرت حفصہؓ کے پاس پہنچے ہوں۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انصاری صاحب نے حادثے کی وضاحت کی ہو لیکن کسی راوی نے اس کو نقل نہ کیا ہو۔ دوسری بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انصاری صاحب نے فقرہ پورا کہا تھا کہ "طلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساءہ" (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی)۔ اس حادثے سے واقعہ ایلاء کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن اس روایت میں اس کی تفصیل نہیں دوسری روایات اور تاریخ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۵ھ کے لگ بھگ منافقین کی ریشہ دوانیاں عام مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان و برگشتہ کرنے کے لئے بہت بڑھ گئی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت کی گھریلو زندگی کے سکون کو درہم برہم کرنے کے لئے بھی بڑی خطرناک مہم چلائی۔ منافق عورتیں ازواج مطہرات کے گھروں میں جاتیں اور نہایت ہمدردانہ انداز میں کہتیں کہ آپ لوگ معزز گھرانوں کی بیٹیاں ہو۔ لیکن آپ لوگوں کی زندگی ہر راحت و لذت سے محروم گذر رہی ہے۔ آنحضرتؐ نے اس فتنے کا قلع قمع کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس کے بعد سب کے دانت کھٹے ہو گئے۔ آنحضرت نے تخییر کا اعلان کیا اور ازواج کو خبر کر دی کہ ان کو اختیار ہے کہ خانہ نبوت میں رہنا چاہیں تو رہیں ورنہ طلاق لے لیں۔ اس اعلان کے بعد آپؐ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے نہیں ملے جس سے لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ یہ روایت اس موقع کی ہے۔

باب 70- الغضب فی الموعظۃ و التعلیم اذا رای مایکرہ۔

❑ ۔ تعلیم اور موعظت میں ناگوار چیز دیکھ کر غصے ہونا۔

90- حدثنا محمد بن کثیر قال اخبرنی سفیان عن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن ابی مسعود الانصاری قال قال رجل یا رسول اللہ لا اکاد ادرک الصلوۃ مما یطول بنا فلان فما رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی موعظۃ اشد غضبا" من یومئذ فقال ایہا الناس انکم منفرون فمن صلی بالناس فلیخفف فان فیہم المریض و الضعیف و ذالحاجۃ۔

❑ ... ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ' فلاں صاحب نماز کو اتنا طول دیتے ہیں کہ میں تو با جماعت نماز سے محروم ہی رہوں گا۔ تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی وعظ میں اس دن سے زیادہ غضبناک نہیں پایا۔ آپؐ نے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ اے لوگو! تم لوگوں کے اندر بے زاری پیدا کرنے والے ہو۔ جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیوں کہ مقتدیوں میں مریض' ضعیف اور ضرورتمند بھی ہوتے ہیں۔

وضاحت:-

آنحضرتؐ کے پاس آنے والے نے یہ کہا کہ فلاں صاحب اتنی لمبی نماز پڑھاتے ہیں کہ میرے لئے ممکن معلوم نہیں ہوتا کہ میں نماز با جماعت ادا کر سکوں اگرچہ میری خواہش ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کروں۔ اس پر آنحضرت غصے میں آ گئے اور لوگوں کو خطاب کر کے کہا کہ تم لوگوں کو دین سے بے زار نہ کرو۔ تم کو تو لوگوں کے لئے مبشر بننا چاہئے' ان کے لئے سہولت پیدا کرنی چاہئے تاکہ ہر طرح کے لوگ آسانی سے نماز ادا کر سکیں کیوں کہ نمازیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں' بوڑھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور ایسے ضرورت مند بھی ہوتے ہیں جن کو اپنی ضروریات کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔

آج کل کے خطیب جمعہ کا خطاب نہایت طویل کرتے ہیں۔ یہ اگر حضور کے زمانے میں ہوتے تو ان کے متعلق معلوم نہیں آنحضرت کیا فرماتے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ تقریر کے نشے میں بولتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور مقتدیوں کے کیا مسائل ہیں۔

91-: حدثنا عبداللہ بن محمد قال حدثنا ابو عامر العقری قال ثنا سلیمان بن بلال المدینی عن ربیعہ بن ابی عبدالرحمن عن یزید مولی المنبعث عن زید بن خالد ن الجھنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سالہ رجل عن اللقطہ فقال اعرف وکاء ھا اوقال وعاء ھا وعفا صھاثم عرفھا سنہ ثم استمتع بھا فان جاء ربھا فادھا الیہ قال فضالہ الابل فغضب حتی احمرت وجنتاہ اوقال احمر وجھہ فقال مالک ولھا معھا سقاء ھا وحذاء ھا تردالماء وترعی الشجر فذرھا حتی یلقاھا ربھا قال فضالتہ الغنم قال لک اولا خیک اوللذئب۔

❑ ... زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے لقطہ (گری پڑی چیز) کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا ڈھکنا یا یہ کہا کہ اس کا ظرف اور بندھن پہچان لو اور پھر ایک سال تک اس کی منادی کراؤ' پھر اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کو لوٹا دو۔ اس نے پوچھا کہ گمشدہ اونٹ اگر مل جائے تو؟ اس پر آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپؐ

نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب۔ اس کا مشکیزہ اور اس کا جوتا اس کے ساتھ ہے۔ چشمے پر پہنچ جائے گا۔ جنگل کی جھاڑیاں چر لے گا۔ تو اس کو چھوڑ دو' اس کا مالک جب چاہے گا اس کو تلاش کر لے گا۔ پھر اس نے پوچھا کہ گمشدہ بکری کے متعلق کیا حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ یا تو تمہارے لئے ہے یا تمہارے بھائی کے لئے یا پھر بھیڑیئے کے لئے ہے۔

وضاحت:-

لقطہ یا ضالہ سے متعلق یہ بات ضروری ہے کہ اس میں سہل انگاری کا رویہ اختیار نہیں کیا جا سکتا' اس لئے کہ اخلاقی پہلو سے اس میں بڑے خطرے ہیں۔ اگر اس کے متعلق کوئی قید یا پابندی نہ ہو تو جو چیز کسی کو مل جائے ہڑپ کر لے' کہیں بکری مل جائے تو اس کو لا کر ذبح کر لے۔ لہذا یہ ضروری تھا کہ اس کے متعلق کوئی قید لگائی جاتی۔

گمشدہ سامان میں دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ کہیں کسی کو ہمیانی مل گئی یا بٹوا' تھیلا یا بریف کیس مل گیا تو اس کے متعلق فرمایا کہ اس کا بندھن' ڈھکنا یا ظرف پہچان لو تاکہ اعلان کر سکو کہ مجھے ایسی چیز ملی ہے۔ جو صاحب اس کے مالک ہوں وہ علامات بتا کر لے لیں۔ اور یہ کام ایک سال تک کرنا ہو گا۔ اس کے بعد سامان پانے والا اس کو خود استعمال کر سکتا ہے۔ دوسری قسم میں جانور شامل ہیں۔ جب اس شخص نے اونٹ سے متعلق پوچھا تو آنحضرتؐ کو غصہ آ گیا۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تمہارا اس سے کیا مطلب؟ اس فقرے میں بڑی تیزی ہے۔ یعنی تم کو اس سے کیا تعلق؟ اس کا مشکیزہ اور اس کا جوتا اس کے پاس ہے۔ حذاء جوتے کو کہتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک اس سے مطلب یہ ہے کہ اس کا زاد و راحلہ اس کے پاس ہے' یہ کسی کا محتاج نہیں۔ آپؐ نے وضاحت بھی کر دی کہ جنگل کی جھاڑیاں چر لے گا۔ چشمے کا پانی پی لے گا۔ تم اس کو گھر میں لا کر کیا کرو گے۔ اونٹ کو رکھنا آسان تو نہیں جب کہ مالک کے ملنے پر اس کو واپس بھی کرنا ہے۔

موجودہ زمانے میں یہ مسئلہ اب اتنا اہم نہیں رہا۔ شہروں میں کانجی ہاؤس یا مویشی خانے موجود ہیں۔ اگر کوئی آوارہ مویشی ملے تو وہاں بھیج دیں۔ اگر مالک آئے تو چارہ وغیرہ کی قیمت ادا کر کے اور کچھ جرمانہ ادا کر کے لے جا سکتا ہے۔ لیکن آنحضرت کے زمانے میں مویشی خانے نہیں تھے۔ تب آپؐ نے یہ فرمایا۔

92- حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا ابو اسامہ عن برید عن ابی بردۃ عن ابی موسی قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاء کرھھا فلما اکثر علیہ غ ثم قال للناس سلونی عما شئتم فقال رجل من ابی قال ابوک حذافہ فقام اخر فقال من ابی یا رسول اللہ قال ابوک سالم مولی شیبہ فلما رای عمر مافی وجھہ قال ی اللہ انا نتوب الی اللہ عزوجل۔

☐ ... ابو موسیٰ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا گیا جن کو آپؐ نے ناگوار محسوس کیا۔ جب اس پر زیادہ تکرار کیا گیا تو آپؐ کو غصہ آگیا پھر آپ نے لوگوں سے کہا پوچھو جو پوچھنا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا باپ کون ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ دوسرا کھڑا ہوا۔ اس نے کہا میرے باپ کا نام بتایئے اے اللہ کے رسول۔ آپؐ نے فرمایا تمہارا باپ سالم مولیٰ شیبہ ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرے کا رنگ دیکھا تو فوراً کہا اے اللہ کے رسول ہم اللہ عزوجل کے آگے توبہ کرتے ہیں۔

وضاحت :-

معلوم ہوتا ہے کہ جن سوالوں سے آپ بے زار ہوئے وہ ان لوگوں کے تھے جو محض کٹ حجتی کے لئے آنحضرتؐ کو جانچنے کے لئے پوچھتے تھے کہ آپ غیب کا علم جانتے ہیں یا نہیں۔ جب آپ کو غصہ آیا تو آپ نے کہا پوچھو۔ اس کے بعد لوگوں کو چپ ہو جانا چاہئے تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو آنحضرتؐ کے تیور نہیں پہچان سکے اور فضول قسم کے سوالات کرنے لگے۔ اس پر آنحضرتؐ کو غصہ آنا قدرتی بات تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرے کو دیکھا تو فوراً اللہ کے حضور توبہ کی۔

رہی یہ بات کہ کیا آنحضرتؐ کو ان لوگوں کے باپوں کے نام معلوم تھے یا آپ نے غیبی اشارے سے بتایا تو انبیاء کے لئے ایسے غیبی اشاروں کا ہونا کوئی بعید نہیں۔

باب 71- من برک رکبتیہ عند الامام او المحدث

امام یا محدث کے آگے دو زانو بیٹھنا۔

93- حدثنا ابو الیمان قال انا شعیب عن الزھری قال اخبرنی انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج فقام عبداللہ بن حذافہ فقال من ابی قال ابوک حذافہ ثم اکثر ان یقول سلونی فبرک عمر علی رکبتیہ فقال رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا ثلثاً" فسکت۔

☐ ... زہری انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور آپؐ سے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے۔ آپؐ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر بار بار فرمانے لگے پوچھو' پوچھو۔ حضرت عمرؓ دو زانو ہو بیٹھے اور کہنے لگے۔ ہم اللہ کے رب ہونے' اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے راضی ہیں۔

یہ تین بار کہا۔ پھر آپؐ چپ ہو رہے۔

وضاحت :-

یہ روایت وہی ہے جو پچھلے باب کے تحت امام صاحب نقل کر آئے ہیں۔ اس میں انہوں نے حضرت عمرؓ کے رسول اللہ کے سامنے دو زانو بیٹھنے پر باب باندھ دیا ہے۔ اگرچہ یہاں امام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن امام بخاریؒ نے محدث کو بھی اس میں شامل کر لیا ہے۔ دو زانو بیٹھنا اسی طرح ہے جس طرح ہم نماز میں التحیات کے وقت قعدہ میں بیٹھتے ہیں۔ انتہائی ادب سے اس طرح بیٹھا جاتا ہے۔

پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جب غصے میں یہ کہا کہ پوچھو تب بھی لوگ سوال کرتے رہے۔ لیکن اس میں یہ ہے کہ صرف عبداللہ بن حذافہ کے سوال کے بعد حضرت عمرؓ نے آپؐ کا غصہ تاڑ کر کہا کہ ہم راضی ہیں اللہ اور اس کے رسول سے۔ اس روایت میں حضرت عمرؓ کے کلمات پہلی روایت سے مختلف ہیں اور یہ زیادہ قرین قیاس ہیں' اگرچہ اس روایت کی ترتیب پہلی روایت کی نسبت قدرے غیر منطقی ہے۔

باب 72- من اعاد الحدیث ثلثا لیفھم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا وقول الزور فمازال یکررھا و قال ابن عمر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل بلغت ثلثا۔

☐ ... بات کو سمجھانے کے لئے تین بار کہنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خبردار! جھوٹ کہنے سے بچو! اور اس کو کئی بار فرماتے رہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کیا میں نے تم کو پہنچا دیا؟

وضاحت :-

"الا وقول الزور" حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جسے کسی موقع پر آپؐ بار بار دہراتے رہے تاکہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے آخر میں سامعین سے پوچھا تھا کہ کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ اور یہ جملہ بھی آپ نے تین مرتبہ دہرایا تھا۔ امام بخاری نے باب میں یہ دو تعلیقات نقل کی ہیں جو دوسری حدیثوں کے ٹکڑے ہیں۔ اس کے بعد روایت نقل کی ہے۔

94- حدثنا عبدۃ قال ثنا عبدالصمد قال حدثنا عبداللہ بن المثنی قال حدثنا ثمامہ بن عبداللہ بن انس عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذاتکلم بکلمہ اعادھا ثلثا حتی تفھم عنہ و اذا اتی علی قوم فسلم علیھم سلم علیھم ثلثا۔

❑ ... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بات کرتے تو تین مرتبہ کرتے کہ اس کو سمجھ لیا جائے۔ آپ لوگوں کے پاس جا کر جب سلام کرتے تو وہ بھی تین مرتبہ کیا کرتے۔

وضاحت :-

اس روایت میں چند مشکلیں ہیں۔ بڑی مشکل تو یہ ہے کہ باب اور روایت میں مطابقت نہیں۔ امام صاحب نے باب تو یہ باندھا ہے کہ بات دہرائی جائے تاکہ سمجھ میں آ جائے۔ یعنی یہ عمل مشروط ہے اس سے کہ بات سمجھانے کے لئے ایسا کیا جائے لیکن روایت جو نقل کی ہے وہ غیر مشروط ہے اور غیر مشروط بھی ایسی کہ "اذا تکلم" کہ "حضور جب بھی بات کرتے۔" "اذا" استمرار کے لئے آتا ہے۔ اس میں کوئی گنجائش نہیں کہ کبھی بھی آپؐ نے کوئی بات تین مرتبہ سے کم کہی ہو۔ باب میں جو تعلیق نقل کی ہے وہ ایسے مواقع کا حوالہ ہے کہ جہاں تاکید ضروری تھی۔ مثلاً" حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے تین مرتبہ پوچھا کہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ اسی طرح قول الزور والی بات کو تاکید کے لئے تین مرتبہ دہرایا۔ تنقیح کے لئے شہادت کو موکد کرنے کے لئے تو بات دو تین مرتبہ کہی جا سکتی ہے لیکن ہر بات کو تین مرتبہ کہنا سمجھ میں نہیں آتا۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ یہ روایت حضرت انسؓ سے ہے۔ حضرت انسؓ ایسے آدمی نہیں کہ انہوں نے صرف چند مرتبہ ہی آنحضرتؐ سے ملاقات کی ہو۔ انہوں نے دس سال تک آنحضرت کی خدمت کی اور آدمی بھی وہ نہایت سمجھدار ہیں۔ جب وہ اس تاکید سے کہتے ہیں کہ جب بھی آپ بات کرتے تو تین مرتبہ کرتے تو یہ بات بڑی الجھن پیدا کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ روایت بالمعنی کرنے میں کسی راوی سے تسامح ہو گیا ہو۔

سلام کے بارے میں بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیڈروں کا عام طریقہ ہے کہ وہ کسی مجلس میں پہنچتے ہیں تو حاضرین کو بار بار سلام کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آنحضرت کا طریقہ بھی یہ رہا ہو گا۔ کہ پہلے سامنے والوں کو، پھر دائیں طرف والوں کو، اور تیسری مرتبہ بائیں جانب والوں کو سلام کہتے ہوں۔

95- : حدثنا مسدد قال ثنا ابوعوانہ عن ابی بشر عن یوسف بن ماھک عن عبداللہ بن عمرو قال تخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر سافرناہ فادر کنا و قد ارھقنا الصلواۃ صلوۃ العصر و نحن نتوضا فجعلنا نمسح علی ارجلنا فنادی با علی صوتہ ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلثا۔

❑ ... حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں پیچھے رہ گئے۔ آپؐ اس وقت ہمارے ساتھ ملے جب کہ نماز عصر کا آخری وقت ہو چکا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے۔ اس پر ہم نے جلدی جلدی اپنے پاؤں پر مسح کرنا شروع کیا تو آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا "ایڑیوں کو ہلاکی ہو دوزخ کی آگ سے۔" آپ نے دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔

وضاحت :-

یہ روایت باب سے مطابقت رکھتی ہے کہ آپؐ نے صحابہ کو سمجھانے کے لئے یہ بات دو یا تین مرتبہ دہرائی تاکہ سب لوگ سن لیں اور جلد بازی میں پاؤں مکمل دھونے میں کوتاہی نہ کریں۔ یہ بھی ایک مجمع کو تعلیم دینے کا اسی طرح کا ایک موقع تھا جیسا موقع حجۃ الوداع کا تھا۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپ اپنی ہر بات تین مرتبہ دہرایا کرتے تھے۔ (یہ روایت پہلے گذر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو تدبر شمارہ 43 - صفحہ 21)

باب نمبر73- تعلیم الرجل امتہ واھلہ۔

❑ ـ اپنی لونڈی اور گھروالوں کو تعلیم دینا۔

96 :- حدثنا محمد ھوبن سلام قال انا المحاربی ناصالح بن حیان قال قال عامر الشعبی حدثنی ابو بردۃ عن ابیہ قالِ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثہ لھم اجران رجل من اھل الکتاب امن بنبیہ و امن بمحمد والعبد المملوک اذا ادی حق اللہ و حق موالیہ و رجل کانت عندہ امہ یطا ھافا دبھا فاحسن تادیبھا و علمھا فاحسن تعلیمھا ثم اعتقھا فتزوجھا فلہ اجران ثم قال عامر اعطینا کھا بغیر شیئی قد کان یرکب فیمادونھا الی المدینہ۔

❑ ... ابو بردہ سے روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک تو وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو، جو اپنے نبی کے ایمان پر بھی قائم رہا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرے اور اپنے آقا کا حق بھی اور تیسرا وہ شخص کہ جس کے پاس کوئی لونڈی ہو، وہ اس کو مہذب بنائے، اس کو اچھی طرح سے ادب سکھائے اور اس کو اچھی تعلیم دے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دہرا اجر ملے گا۔ عامر نے صالح سے کہا کہ یہ حدیث ہم نے تم کو مفت سنا دی حالانکہ اس سے بھی معمولی باتوں کے لئے مدینہ کا سفر کرنا پڑتا تھا۔

وضاحت :-

اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے ان کو تو دوہرا اجر ملنا چاہئے۔ انہوں نے اس وقت کا بھی حق ادا کیا اور یہ حق بھی ادا کیا۔ یہ بات قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے۔ اس امت کا اجر بھی دہرا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت تمام جہان کے اوپر گواہ بنائی گئی ہے تو جو اس کا حق ادا کرے گا اس کو دوہرا اجر ملے گا۔

وہ غلام جو اپنے رب کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کا بھی تو اس کو بھی دوہرا اجر ملنا قابل فہم ہے کہ اس نے اپنے روحانی آقا اور دنیاوی آقا دونوں کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کیا۔

اسلام نے غلامی کے سسٹم کو عارضی طور پر گوارا کر لیا تھا لیکن اس کو ختم کرنا بھی ضروری تھا۔ اس کو یک لخت ختم کرنا اس لئے ممکن نہ تھا کہ اس میں بڑی پیچیدگیاں تھیں۔ لہٰذا اسلام نے غلاموں کے حقوق بہت وضاحت سے ایسے قائم کر دیئے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ آزادی کا نہایت ہی فراخ راستہ کھول دیا جائے۔ مکاتبت کے قانون کے تحت سب ذی صلاحیت غلام آزاد ہو سکتے تھے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر یہ فرمایا کہ لونڈی کو مہذب بنا کر' اس کی اچھی تربیت و تعلیم کر کے' پھر اس کو آزاد کر کے' اگر کوئی مالک اس سے نکاح کر لے گا تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔

اس حدیث کے راوی عامر یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہم نے آپ کو مفت سنا دی حالانکہ اس سے کم قیمتی روایت کے لئے مدینہ کا سفر کرنا پڑتا تھا تو اس نعمت کی قدر کرو۔

بقیہ : مالی و اخلاقی جرائم کے فیصلے

گواہ نہ ہوں تو اس صورت میں اس کے سامنے لعان کا اختیار موجود ہے۔ اس طریقہ سے وہ بے وفا بیوی سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ میرے نزدیک جہاں معاملہ اس درجے کا ثابت ہو جائے کہ وہ چار گواہوں کے برابر ہو جائے تب تو "حد" کی سزا ہو گی ورنہ تعزیر کے طور پر کم تر سزا دی جا سکتی ہے۔

(ترتیب سعید احمد)

امین احسن اصلاحی

مالی و اخلاقی جرائم کے فیصلے

موطا امام مالک کی کتاب الحدود کی روایات

جامع القضاء وکراھیتہ

منصب قضا اور اس کے مکروہ ہونے کے بارے میں

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید ان ابا الدرداء کتب الی سلمان الفارسی ان ھلم الی الارض المقدسۃ فکتب الیہ سلمان ان الارض لا تقدس احداً و انما یقدس الانسان عملہ و قد بلغنی انک جعلت طبیباً تداوی' فان کنت تبری فنعمالک' و ان کنت متطبباً فاحذر ان تقتل انساناً فتدخل النار فکان ابو الدرداء اذا قضی بین اثنین' ثم ادبرا عنہ نظر الیھما' و قال ارجعا الی اعیدا علی قصتکما متطبب واللہ

ترجمہ :- یحیٰی بن سعید روایت کرتے ہیں کہ ابو الدردا نے حضرت سلمان فارسی کو لکھا کہ یہاں اس ارض مقدس میں تشریف لائیے۔ سلمان فارسی نے ان کو لکھا کہ کوئی زمین کسی کو مقدس نہیں کرتی بلکہ انسان کو اس کا عمل پاک کرتا ہے۔ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ لوگوں کے علاج کے لئے طبیب بنا دیئے گئے ہیں۔ اگر آپ کے علاج سے لوگ صحت پائیں تو آپ کے کیا کہنے اور اگر آپ یونہی عطائی ہیں تو علاج سے احتراز کریں۔ کہیں کسی انسان کو قتل کر کے آپ جہنم میں داخل نہ ہوں۔ ابو الدرداء کا حال یہ ہو گیا کہ جب وہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتے اور وہ ان کے پاس سے ہٹتے تو وہ ان پر نظر ڈالتے اور کہتے کہ بھائی پھر آجاؤ اور اپنا قصہ مجھے دہرا دو۔ میں تو واللہ ایک عطائی بندہ ہوں۔

وضاحت :- ابو الدرداؓ فقہا صحابہ میں سے ہیں اور ان کا مقام دینی اعتبار سے خاصا بلند ہے۔ سلمان فارسیؓ بھی مشہور صحابی ہیں۔ ابو الدرداء کسی زمانے میں شام میں قاضی مقرر کر دیئے گئے۔ انہوں نے حضرت سلمان فارسی کو دعوت دی کہ آپ یہاں تشریف لائیں' یہ ارض مقدس ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ زمین کسی کو پاک نہیں کرتی بلکہ انسان کا اپنا عمل اس کو پاک کرتا ہے۔ یہ محض سخن گسترانہ بات ہے۔ ان کی دعوت سے کوئی اس قسم کا ادعا تو معلوم نہیں ہوتا۔ شام کا ارض مقدس ہونا معلوم ہے۔ یہ پہلا قبلہ اور حرم اور انبیاء کا مرکز رہا ہے۔ لیکن حضرت سلمان نے 'معلوم ہوتا ہے' اس فقرے کو گوارا نہیں کیا اور کہا کہ آپ کس زعم میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ ارض مقدس میں جا کر مقدس ہو گئے ہیں۔ کوئی سرزمین کسی کو مقدس نہیں بناتی۔

مزید حضرت سلمان نے یہ بھی لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگوں کے علاج کے لئے طبیب بنا دیئے گئے ہو۔ اس میں اشارہ ان کے قاضی بنانے کی طرف ہے کہ وہ لوگوں کی دینی ضروریات اور مشکلات کا مداوا کریں۔ حضرت سلمان نے لکھا کہ اگر لوگوں کو آپ سے فائدہ ہوا تو کیا کہنے اور اگر یونہی عطائی ہو تو بچ کے رہنا کہ لاعلمی میں کسی کو قتل کر کے جہنم میں داخل نہ ہوں۔ یہ جملہ بھی غیر

ضروری طریقے پر تیز اور سخت ہے۔ اس لئے ابو الدرداء کا حال یہ ہوا کہ جب کبھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتے اور وہ وہاں سے ہٹتے تو پھر ان کی طرف دیکھتے اور کہتے کہ بھئی اپنا قصہ ذرا پھر سے سناؤ۔ آخر میں عطائی جو ہوا۔ میرے خیال میں یہ بھی سلمانؓ پر فقرہ چست کرتے کہ جب مجھے انہوں نے عطائی قرار دے چھوڑا ہے تو خدا کے لئے پھر سنا دو تاکہ میں عطائی نہ رہوں اور جہنم میں داخل نہ ہوں۔

یہ بزرگوں کی باتیں ہیں مگر دلچسپ ہیں۔ سلمان فارسیؓ نے جو باتیں لکھیں ان کے لکھنے کا موزوں موقع نہ تھا۔ بے تکلفی میں یہ بات لکھی جا سکتی ہے۔ دونوں بڑے آدمی ہیں۔ میرے خیال میں یہ سب بے تکلفی میں ہوا۔

حد ثنی مالک عن عمر بن عبدالرحمن بن دلاف المزنی عن ابیہ ان رجلا من جھینتہ کان یسبق الحاج فیشتری الرواحل فیغلی بھا ثم یسرع السیر فیسبق الحاج فافلس فرفع امرہ الی عمر بن الخطاب' فقال اما بعد ایھا الناس فان الا سیفع اسیفع جھینتہ رضی من دینہ و امانتہ بان یقال سبق الحاج الا و انہ قد دان معرضا فاصبح قد دین بہ فمن کان لہ علیہ دین فلیاتنا بالغداۃ نقسم مالہ بینھم و ایاکم والدین' فان اولہ ھم و اخرہ حرب

ترجمہ :- عبدالرحمن اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کا ایک شخص آگے بڑھ کر حاجیوں سے پہلے مال لانے والے قافلوں سے ملتا' ان سے مال خرید کر کے اس کی قیمت گراں کرتا اور پھر تیزی سے آگے آکر حاجیوں کو بے خبری میں مال بیچتا۔ آخرکار وہ دیوالیہ ہو گیا۔ اس کا مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اے لوگو! یہ اسیفع ہے' جہینہ والا اسیفع۔ اس نے اپنے دین اور اپنی امانت سے اس بات کو پسند کیا کہ لوگ کہیں کہ وہ حاجیوں پر سبقت کرتا رہا ہے۔ آگاہ رہو کہ اپنے اس اعراض کی وجہ سے قرضدار ہو گیا ہے تو جس کا اس کے ذمہ کچھ قرض ہو وہ کل صبح ہمارے پاس حاضر ہو' ہم اس کا مال ان کے درمیان تقسیم کریں گے۔ اللہ کے بندو' اللہ سے ڈرو اور قرض سے بچو' اس کا آغاز غم اور انجام لڑائی ہے۔

وضاحت :- یہ روایت اگرچہ حدیث نہیں بلکہ صحابہ کا اثر ہے لیکن اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں مفلس کا حکم بیان ہوا ہے یعنی یہ کہ دیوالیہ ہونے پر کیا ہوگا۔ دیوالیہ سے متعلق روایات پہلے گزر چکی ہیں۔

اسیفع کے معنی ہیں کالے کلوٹے کے۔ عربیت کے قاعدے سے یہ اسفع کی تصغیر ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ دین اور اخلاق کے تقاضوں سے اعراض کے نتیجہ میں قرضدار ہو گیا ہے۔ قرض اس پر مسلط ہو گیا ہے۔ جس کا حق اس کے ذمہ ہو وہ آئے تو ہم اس کا مال حقداروں کے

درمیان تقسیم کریں گے۔ یہ تقسیم کس بنیاد پر ہوگی؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ "علیٰ سواء" کا طریقہ درست ہے۔ یعنی ایک نسبت سے سب اپنے حق کی وصولی کرلیں۔ میں ان لوگوں کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو جیل بھیجنے کے بجائے موقع دینا چاہئے کہ جدوجہد کرکے کچھ کمائے اور لوگوں کا حق ادا کرے۔ موجودہ زمانے میں بھی یہی اصول ملحوظ ہے البتہ وہ اپنے مال میں تصرف کا مجاز نہیں رہتا۔ صرف بقدر شدید ضرورت ہی وہ تصرف کرسکتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جو مال اس کے پاس موجود ہے' وہ جن مہاجنوں کا ہو وہ اس کو لے سکتے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ ٹھیک نہیں۔ جو کچھ بھی اس کے پاس ہے اس میں سب حقداروں کا یکساں نسبت سے حصہ ہوگا۔

کتاب الحدود

ما جاء فی الرجم

رجم کے بارے میں

حدثنا مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر انہ قال: جاء ت الیھود الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذ کروالہ ان رجلا منھم وامراۃ زنیا' فقال لھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تجدون فی التوراۃ فی شان الرجم' فقالوا نفضحھم و یجلدون' فقال عبداللہ بن سلام کذبتم ان فیھا ایہ الرجم فاتو ابالتوراۃ فنشروھا فوضع احدھم یدہ علی ایہ الرجم ثم قراء ما قبلھا و ما بعد ھا فقال لہ عبداللہ بن سلام ارفع یدک فرفع یدہ فاذا فیھا ایہ الرجم فقالوا صدق یا محمد فیھا ایہ الرجم فامر بھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجما' فقال عبداللہ بن عمر فرایت الرجل یحنی علی المراۃ یقیھا الحجارۃ۔ قال مالک؛ یعنی یحنی یکب علیھا حتی تقع الحجارۃ علیہ۔

❑ ... عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کے سامنے بیان کیا کہ ان کے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم تورات میں رجم کے بارے میں کیا پاتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ (رجم تو نہیں کرتے) بلکہ ان کو رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اس پر عبداللہ بن سلام نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ اس میں آیت رجم ہے۔ وہ لوگ تورات لے کر آئے اور اس کو کھولا۔ ان میں سے ایک نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے پہلے اور بعد کا حصہ پڑھ دیا۔ عبداللہ بن سلام نے کہا کہ اپنا ہاتھ

اٹھاؤ۔ اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس میں آیت' رجم نکل آئی۔ تب انہوں نے کہا کہ اے محمد یہ ٹھیک کہتے ہیں' اس میں آیت رجم موجود ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں حکم دیا تو ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آدمی کو دیکھا کہ وہ عورت کے اوپر جھکا پڑتا تھا تاکہ پتھروں سے اس کو بچائے۔ امام مالک کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آدمی عورت پر اس لئے جھکا پڑتا تھا کہ پتھر عورت کی بجائے اس پر پڑیں۔

وضاحت :-

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر آتا ہے کہ اہل کتاب اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ لائیں تو ان کے معاملات میں آپ دخل دینے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ یہود آنحضرتؐ کے پاس اپنے مقدمات شرارت کے لئے . لے جاتے تھے کہ اگر فیصلہ اپنی منشا کے مطابق ہوا تو مانیں گے' ورنہ گریز کر جائیں گے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب مدینہ اور اس کے نواح میں اسلام کا انتظام بحیثیت مجموعی تو قائم ہو گیا تھا لیکن ابھی بعض قبائل خصوصا اہل کتاب اپنے معاملات اپنی مقامی عدالتوں میں ہی لے کر جاتے تھے اور ان پر پورے طور پر کنٹرول نہیں تھا۔ اس کو عبوری دور کی بات کہہ سکتے ہیں۔ یہ کامل غلبے سے پہلے کی بات ہے۔ یہود اس زمانے میں یہ مقدمہ اس لئے لائے ہوں گے کہ ممکن ہے ہمارے منشا کے مطابق فیصلہ ہو جائے۔ یہود تورات میں تحریف کر چکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے وہ زانی کا منہ کالا کر کے یا کچھ پٹائی کر کے اس کی رسوائی کر دیتے تھے۔ اس کو رجم نہیں کرتے تھے۔ دوسری صورت یہ بھی تھی کہ اگر کوئی صاحب عزت و جاہ مجرم ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ آنحضرتؐ کے دریافت کرنے پر کہ کیا تورات میں زانی کے لئے رجم کا حکم نہیں ہے' یہودیوں نے انکار کر دیا تو عبداللہؓ بن سلام نے' جو یہودیت کو ترک کر کے مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے گھر کے بھیدی تھے' ان کو دھر لیا اور یہود کی کتمان حق کی کوشش کے باوجود ثابت کیا کہ زانی کے لئے تورات میں رجم کا حکم ہے۔ آخر کار ان کو آنحضرتؐ کے سامنے اعتراف کرنا پڑا۔

توارت کا کتاب الہی ہونا مسلم تھا۔ اس معاملہ میں دونوں فریق یہودی تھے لہذا کوئی پیچیدگی بھی نہیں تھی آنحضرتؐ نے فیصلہ تورات کے مطابق کر دیا۔ اور اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ تورات میں زانی کے لئے رجم کا حکم تھا۔ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس دور میں اپنے ہاں بھی لوگوں کو اس قانون کے تحت سزائیں دی ہوں۔ یہ دستور رہا ہے کہ جن معاملات میں شریعت اسلامی کا کوئی واضح حکم نہیں ہوتا تھا تو اس میں آپؐ اہل کتاب کے احکام پر عمل کرتے تھے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ جب تک کوئی نص صریح وارد نہ ہوا ہو آپؐ زنا کے مجرموں کو رجم کرتے رہے ہوں۔

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب ان رجلا من اسلم جاء الی ابی بکر الصدیقؓ

فقال لہ ان الاخرزنی' فقال لہ ابوبکر ھل ذکرت ھذا لا حد غیری فقال لا فقال لہ ابو بکر فتب الی اللہ واستتر بستر اللہ' فان اللہ تقبل التوبۃ عن عبادہ فلم تقررہ نفسہ' حتی اتی عمر بن الخطاب فقال لہ مثل ما قال لابی بکر' فقال لہ عمر مثل ما قال لہ ابو بکر فلم تقررہ نفسہ حتی جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ ان الاخرزنی' فقال سعید فاعرض عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اذا اکثر علیہ بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اھلہ فقال ایشتکی ام بہ جنۃ فقالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ انہ لصحیح' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابکرام ثیب؟ فقالو ابل ثیب" یا رسول اللہ' فامربہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجم۔

❑ ... سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا کہ اس گنہ گار بندہ کمینہ سے زنا کا گناہ صادر ہوا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا کہ اس کا میرے سوا کسی اور سے بھی ذکر کیا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا تو اللہ سے توبہ کر اور اللہ کے پردے میں چھپ کہ اللہ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے۔ لیکن اس کا اس پر دل نہ ٹھکا۔ پھر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی بات کہی جو حضرت ابو بکرؓ سے کہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس کو اسی طرح کا جواب دیا جو حضرت ابو بکرؓ نے دیا تھا۔ اس پر بھی اس کا دل نہ ٹھکا۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور ان سے کہا کہ اس بندہ کمینہ نے زنا کیا ہے۔ سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا۔ تین مرتبہ اس نے کہا اور ہر مرتبہ حضورؐ اس سے منہ پھیر لیتے رہے۔ جب وہ بہت مصر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گھر والوں کے پاس آدمی بھیجا اور پوچھا کہ یہ شخص مریض تو نہیں یا اس کو جنون تو نہیں۔ گھر والوں نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کنوارہ ہے یا شادی شدہ؟ لوگوں نے کہا کہ شادی شدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس کو رجم کر دیا گیا۔

وضاحت :-

محدثین نے "رجل من اسلم" کے الفاظ سے یہ سمجھا ہے کہ یہ روایت ماعز اسلمی سے متعلق ہے' لیکن موطا میں یہ وضاحت نہیں ہے۔ ان صاحب کے متعلق دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو ماعز کے متعلق یہ شکایت ملی تھی کہ جب مسلمان جہاد کے لئے جاتے ہیں تو یہ آدمی مسلمانوں کی بہو بیٹیوں کا پیچھا کرتا ہے اور ان کے پیچھے بکروں کی طرح ممیاتا ہے۔ آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ یہ شریر آدمی ہے لیکن زنا کا معاملہ ایسا ہے کہ جب تک کسی کے متعلق پوری بات متحقق نہ ہو سزا دینے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ماعز کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ آنحضرتؐ کے علم میں یہ

بات ہے' پھر ایک لونڈی کے ساتھ اس نے زنا کیا اور وہ حاملہ ہو گئی تو معاملہ کے راز رہنے کی کوئی شکل نہ رہی۔ جب ماعز کو یقین ہو گیا کہ اب اس کا جرم راز نہیں رہا تب اس نے لوگوں کے سامنے اعتبار قائم کرنے کے لئے اس طرح کہنا شروع کیا جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے۔ یہ لوگ قاضی نہیں تھے اس لئے یہی مشورہ دیا کہ توبہ استغفار کرو' اللہ توبہ قبول کرے گا۔ لیکن اسے اس پر اطمینان نہیں ہوا۔ اس کے قبیلے والوں نے اس کو یہ بتایا کہ یہ معاملہ تو اب دبنے والا نہیں' اب تم آنحضرتؐ کے پاس جاؤ۔ وہ اگر مہربانی کریں تو ان کے اختیار میں ہے۔ تب وہ آپؐ کے پاس گیا اور اپنے جرم کا اقرار کیا۔ یہ بات بھی ہے کہ جب آدمی سمجھ لیتا ہے کہ اب کوئی مفر نہیں تب اس کے اوپر اتنا بوجھ پڑ جاتا ہے کہ وہ نفسیاتی طور پر کہتا ہے کہ یہ معاملہ اب کسی طرح ختم ہونا چاہئے۔

جب ایک معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ تفتیش کے سارے طریقے اختیار کرے' اگرچہ وہ جانتا ہو کہ یہ شخص مجرم ہے۔ قاضی اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ شہادتوں کی بنیاد پر رائے قائم کرتا ہے۔ وہ گواہوں سے معلوم کرتا ہے کہ ملزم کس قسم کا آدمی ہے۔ شادی شدہ ہے یا کنوارا ہے۔ اس کو کوئی دماغی عارضہ تو نہیں۔ اس کو کوئی بیماری تو لاحق نہیں۔ یہ باتیں دریافت کرنا اس کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ اس لئے ماعز کے اقرار پر آنحضرتؐ نے فوراً فیصلہ نہیں کیا بلکہ ذاتی معلومات رکھنے کے باوجود اس کے خاندان والوں سے تحقیقات کی اور اس کے بعد سزا نافذ فرمائی۔

ماعز کے سلسلہ میں کچھ روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ بہت متقی اور پارسا آدمی تھا۔ اگر دامن نچوڑ دیتا تو فرشتے وضو کرتے۔ اس کے خون سے اتنے لاکھ کی نجات ہو جائے گی۔ لوگوں کی ایک رائے یہ بھی رہی ہے۔ لیکن دوسری روایتوں کی مطابق آنحضرتؐ نے ماعز کے رجم کے بعد تقریر فرمائی جس میں اس کی حرکتوں پر نہایت غم و غصہ کا اظہار فرمایا اور اعلان کیا کہ اس طرح کے لوگوں کے ساتھ میں اسی طرح کا معاملہ کروں گا۔ آپ نے اس کے جنازے کی نماز بھی نہیں پڑھی۔ عقیدت مندی کا اظہار اپنی جگہ لیکن ایک محقق کو سب باتیں سامنے رکھ کر تحقیق کر کے حقیقت کو متعین کرنا ہوتا ہے۔

یہ روایت بالاتفاق مرسل ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ ہر جگہ یہ مرسل آئی ہے لیکن دوسری صحاح میں موصول بن گئی ہے اور ابن شہاب ہی ہیں جنہوں نے اس کو موصول بنا دیا ہے۔ ابن شہاب کے متعلق زرقانی کا تبصرہ یہ ہے کہ ان کے تو من کی موج ہے' وہ جس روایت کو چاہتے ہیں مرسل چھوڑ دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں موصول کر لیتے ہیں۔

حدثنی مالک عن یحی بن سعید عن سعید بن المسیب انہ قال : بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل من اسلم یقال لہ ھزال لو سترتہ بردائک لکان خیر لک' قال یحی بن سعید فحدثت بھذا الحدیث فی مجلس فیہ یزید بن نعیم بن ھزال الاسلمی' فقال یزید ھزال جدی' وھذا الحدیث حق۔

☐ ... سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص ہزال نامی سے فرمایا تھا کہ اے ھزال' اگر تم اس کو اپنی چادر کے نیچے چھپا لیتے تو یہ بات تمہارے لئے بہتر ہوتی۔ یحیٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے یہ حدیث ایک ایسی مجلس میں بیان کی جس میں یزید بن نعیم بن ھزال اسلمی موجود تھے۔ یزید نے کہا ھزال میرے جد امجد تھے اور یہ حدیث سچی ہے۔

وضاحت :-

یہ روایت سعید بن مسیب کے بلاغات میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ھزال کو کہا کہ اگر تم اس بات کو اپنی چادر کے نیچے چھپاتے تو تمہارے لئے بہتر ہوتا۔ یہ بات خود اپنی جگہ پر ٹھیک ہے کہ کسی کو اپنے یا دوسرے کے گناہوں کا اشتہار دینے کا حق نہیں۔ اگر کوئی اپنے گناہوں کا اشتہار دیتا ہے تو وہ اپنی ہی شامت کو دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت جب ستاری ہے تو ہم جو گناہ کرتے ہیں ان کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان ہی رکھنا چاہئے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی معاملہ پولیس کیس نہ بن جائے کسی شہری کو اس میں از خود مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ اگر کوئی شخص اپنا گناہ بتانے کی غلطی کرے تو اس کو یہی تلقین کرنی چاہئے کہ آپ اس کا اشتہار نہ دو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔ لیکن جب جرم آشکارا ہو جائے اور خود منادی کرنے لگے تو اس پر قانون کے مطابق کارروائی ہو گی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موجودہ زمانے میں جو لوگ اپنی خود نوشت سوانح عمریاں لکھتے ہیں وہ متفخانہ انداز میں اپنے خانگی جرائم کا اشتہار دیتے ہیں۔ اس کی ان کو سزا بھی ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی رسوائی کا کافی سامان کر دیتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماعز کے معاملہ میں ھزال نے جا کر رپورٹ کرائی تھی۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان کو تنبیہہ فرمائی۔

حدثنی مالک عن ابن شہاب انہ اخبرہ ان رجلا اعترف نفسہ بالزنا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و شہد علی نفسہ اربع مرات فامر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجم۔

☐ ... امام مالک ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کو خبر دی کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے بارے میں چار مرتبہ زنا کا اعتراف کیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ اس کو رجم کیا جائے۔

وضاحت :- یہ روایت نہایت مختصر ہے جس سے مقدمہ کے کوائف معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس بیان سے کوئی اصول وضع نہیں کیا جا سکتا۔ امام مالک اور ابن شہاب زہری کا یہ مذہب ہے کہ رجم کے لئے اعتراف زنا ہی کافی ہے لیکن دوسرے فقہا حضرات یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ جرم شہادت سے ثابت ہونا چاہئے۔ بعض لوگوں کی رائے میں اعتراف دوسرے جرائم کو ثابت نہیں کرتا لیکن زنا کے ثبوت کے لئے خاص ہے۔ میرے نزدیک کسی جرم کو ثابت کرنے کے کئی ذریعے ہیں۔ ان میں سے ایک ذریعہ اعتراف بھی ہے۔ موجودہ زمانے میں اعتراف کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ یہ ایک کھلا ہوا فراڈ بھی ہو سکتا ہے۔ اور جو اعتراف پولیس کراتی ہے وہ تو سب کو معلوم ہے کہ اس کا کوئی وزن ہی نہیں رہا۔ اعتراف کرنے میں بعض اوقات ایسی باتیں مضمر ہوتی ہیں کہ آدمی اعتراف کرتا ہے لیکن وہ غلط ہوتا ہے۔ یہ بات شریعت کے اصول کے بھی خلاف ہے کہ جرم کے ثبوت کے لئے یہ شرط لگائی جائے کہ اگر ملزم اعتراف جرم کرے گا تب سزا ہوگی' بلکہ شہادت کے لئے جو جو طریقے ہیں ان کی رو سے دیکھا جائے گا۔ اگر شہادت موجود ہو اور زانی اعتراف جرم نہ بھی کرے تب بھی سزا ہوگی۔

حدثنی مالک عن یعقوب بن زید بن طلحہ عن ابیہ زید بن طلحہ عن عبداللہ ابن ابی ملیکہ انہ اخبرہ ان امراۃ جاء ت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتہ انہا زنت وھی حامل فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذھبی حتی تضعی فلما وضعت جاء تہ' فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذھبی حتی ترضعیہ' فلما ا ء ضعتہ جاء تہ' فقال اذھبی فاستودعیہ قال فاستودعتہ ثم جاء ت' فامر بہا فرجمت۔

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ ان کو خبر ملی کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئی اور آپ سے بیان کیا کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور وہ حاملہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور وضع حمل کے بعد آؤ۔ جب وہ وضع حمل کے بعد حاضر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ بچے کو دودھ پلاؤ۔ جب وہ دودھ پلانے کے بعد حاضر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ بچے کو کسی کے حوالے کر دو۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ حوالے کرنے کے بعد حاضر ہوئی تب آپؐ نے حکم دیا تو وہ رجم کر دی گئی۔

وضاحت :-

اس روایت سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس عورت سے متعلق ہے لیکن غالباً" اس کے مراد غامدیہ ہے جس کے رجم کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں ہے۔ مجھے یہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ غامدیہ کون تھی' اس کی شادی ہوئی تھی یا نہیں۔ اس کا کوئی خاندان بھی تھا یا نہیں۔ صحیح مسلم کی روایت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ماعز نے اسی کے ساتھ زنا کیا تھا لیکن کوئی بات یقین سے کہنا مشکل ہے۔

معلوم ہوتا ہے یہ کوئی ایسی عورت تھی جس کا کنبہ یا خاندان نہیں تھا۔ چنانچہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بچے کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہوا تو ایک انصاری نے پیش کش کی کہ میں اس کی پرورش کروں گا چنانچہ بچہ ان کے حوالے کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس عورت کا کوئی کنبہ قبیلہ ہوتا تو بچے کو وہ لے جاتا۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ زنا سے حاملہ ہو جانے والی عورت پر حمل و رضاعت کی مدت کے دوران حد کا نفاذ نہیں کیا جائے گا۔

حدثنی مالک عن ابن شہاب عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابی ھریرۃ و زید بن خالد الجہنی انہما اخبراہ ان رجلین اختصما الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال احد ھما یا رسول اللہ اقض بیننا بکتاب اللہ وقال الاخر وھو افقہما اجل یا رسول اللہ' فاقض بیننا بکتاب اللہ' و ائذن لی فی ان اتکلم' فقال تکلم' قال ان ابنی کان عسیفا" علی ھذا فزنی بامراتہ فاخبرنی ان علی ابنی الرجم' فافتدیت منہ بمائۃ شاۃ وبجاریۃ لی ثم انی سالت اھل العلم فاخبرونی ان ما علی ابنی جلد مائۃ و تغریب عام' و اخبرونی انما الرجم علی امراتہ' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما والذی نفسی بیدہ لاقضین بینکما بکتاب اللہ اما غنمک و جاریتک فرد علیک و جلد ابنہ مائۃ' و غربہ عاما" وامر انیسا الاسلمی ان یاتی امراۃ الاخر' فان اعترفت رجمہا' فاعترفت فرجمہا' قال مالک والعسیف الاجیر۔

ابو ہریرہؓ اور خالد الجہنی دونوں نے عبیداللہ کو خبر دی کہ دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مقدمہ لے کر آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمایئے۔ دوسرے نے جو دونوں میں زیادہ سمجھدار تھا کہا کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمایئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ پہلے میں بات کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہو۔ اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کا ارتکاب کیا۔ اس نے مجھے خبر دی کہ میرے بیٹے کے لئے رجم کی سزا ہے تو میں نے اس کے فدیہ میں ایک سو بکری اور اپنی ایک لونڈی دے دی۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کے اوپر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہے۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس شخص کی بیوی پر رجم ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے' میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی تم کو واپس ہیں۔ آپ نے اس کے بیٹے کو سو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا اور انیس اسلمی کو حکم دیا کہ وہ دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جائیں۔

اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو رجم کریں۔ اس عورت نے اعتراف کیا تو وہ رجم کر دی گئی۔ امام مالک کہتے ہیں کہ **عسیف** مزدور کو کہتے ہیں۔

وضاحت :-

اس روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر فیصلہ جو کیا اس میں نوجوان کو ایک سو کوڑوں کی سزا دی جو سورہ نور کے مطابق ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اس کو ایک سال کی جلا وطنی کی سزا بھی دی جو سورہ نور میں نہیں ہے اور ہمارے فقہا بھی اس کو منسوخ مانتے ہیں۔ یہاں قابل غور سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے تغریب عام (یعنی سال بھر کی جلا وطنی) کا حکم کس بنیاد پر دیا۔ اگر سورہ مائدہ کی آیت 33 کے تحت یہ حکم آپ نے دیا تو دوسری چیز جو الجھن پیدا کرتی ہے یہ ہے کہ ایک جرم پر دو مختلف سزائیں بیک وقت کیسے جاری ہو گئیں۔ یہ بات عقل عام کے بھی خلاف ہے اور قرآن سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

میرے نزدیک زانی کی سزا سو کوڑے ہے جس کا حکم سورہ نور کی آیت 2 میں ہے۔ اگر مجرم عادی قسم کا ہو یا اس کا جرم دوسرے جرائم کو بھی شامل ہو تو اس کو محاربین کے حکم کے تحت سورہ مائدہ کی آیت 33 کی روشنی میں رجم بھی کیا جا سکتا ہے اور جلا وطنی کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ لیکن اس آیت کے تحت دو سزائیں جمع نہیں کی جا سکتیں کیونکہ آیت میں حرف عطف "او" (یا) استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روایت کے نقل کرنے میں کہیں غلطی ہو گئی ہے۔

حدثنی مالک عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرہ ان سعد بن عبادہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارایت لو انی و جدت مع امراتی رجلا ا امہلہ حتی اتی باربعہ شہداً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم۔

❑ — ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پاؤں تو کیا میں اس سے اس وقت تک تعرض نہ کروں جب تک کہ میں چار گواہ نہ لا سکوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں۔

وضاحت :-

یہ روایت پہلے گذر چکی ہے۔ دیکھئے "تدبر" شمارہ 43- میرے نزدیک اگر شوہر کو یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ بیوی کو کسی مرد کے ساتھ حالت غیر میں دیکھتے ہی اس کی گردن اڑا دے تو اس سے بڑے فساد پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس معاملہ کو عدالت ہی میں ثابت کرنا ہو گا۔ اگر شوہر کے پاس چار

بقیہ صفحہ 24 پر

افادات فراہیؒ

خالد مسعود

تفسیر قرآن کے اصول

قرآن مجید کی تفسیر کے اصول تین قسموں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

(ا) بنیادی اصول' جن کا سہارا اس وقت لیا جائے گا جب عبارت کے ایک سے زیادہ معانی لینے کا احتمال نہ ہو۔ ان کو بالعموم اختیار کیا جانا ضروری ہے۔

(ب) ترجیح کے اصول' جو اس وقت اختیار کئے جائیں گے جب ایک مقام پر کئی مفہوم لینا ممکن ہو۔ ان اصولوں کی روشنی میں ہم متعین کر سکیں گے کہ کونسا مفہوم ترجیح کے لائق ہے اور کس کی حیثیت مرجوح کی ہے۔

(ج) غلط اصول' جن پر لوگوں نے تفسیر میں اعتماد کر لیا حالانکہ ان کی حیثیت ایسی نہ تھی کہ ان پر اعتماد کیا جاتا۔ ان کا تذکرہ ہم صرف اس لئے کریں گے کہ لوگ ان سے اجتناب کریں۔

ا۔ تفسیر کے بنیادی اصول

قرآن کی تفسیر کے بنیادی اصول چار ہیں:-

1- نظم کلام اور سیاق و سباق کا لحاظ
2- نظائر قرآن کی روشنی میں مفہوم کا تعین
3- کلام میں مخاطب کا صحیح تعین
4- الفاظ کے شاذ معانی کا ترک

اب ہم ان کی ضروری وضاحت کریں گے۔

پہلا اصول: نظم کلام اور سیاق و سباق کا لحاظ:

یہ اصول بنیادی اس لئے ہے کہ کوئی بھی کلام ایسے مفہوم کا متحمل نہیں ہو سکتا جو اس کے نظام کے مخالف اور اس کے معانی کو غیر مربوط کرنے والا ہو۔ ربط کلام تو ہر عاقل کے کلام کی خصوصیت ہوتی ہے' اللہ تبارک و تعالیٰ کا معجز کلام اس خصوصیت سے خالی کیسے ہو سکتا ہے؟ تفسیر کا یہ اصول نہایت واضح تھا لیکن بعض منحرف لوگوں نے اس کو ختم کرنے کی کوشش کی اور بعض حدیثیں ایسی گھڑ دیں جن کے باعث ناپختہ عقل رکھنے والے صالح اہل ایمان بھی فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ ان کو معاف فرمائے' اعمال کا دارومدار تو لوگوں کی نیتوں پر ہوتا ہے۔ نظم کلام کو نظرانداز کر کے تفسیر کرنے کی ایک نمایاں مثال آیت تطہیر ہے۔ یہ نہ امہات المومنینؓ کے علاوہ کسی کے حق میں نازل ہوئی' نہ

اس کا کسی اور سے تعلق ہے اور نہ اس کے سوا کوئی اس میں شامل ہے۔ موقع کلام ایسا ہے کہ اس کے حکم کو عام کیا ہی نہیں جا سکتا۔

ہر سورہ میں ایک مخصوص نظام ہے:

جاننا چاہئے کہ ہر سورہ میں ایک مخصوص نظام ہے اور سورتوں کے مطالب میں بے نظمی جو بظاہر نظر آتی ہے' محض قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ یہ بات ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کی سورتیں چھوٹی بھی ہیں اور بڑی بھی۔ ہر سورہ میں اگر کوئی ایک متعین مقصد نہ ہوتا جس کے پورا ہونے سے سورہ پوری ہوتی ہو' تو یہ الگ الگ حدبندیوں کی کیا ضرورت تھی' سارے قرآن کو ایک ہی سورہ بنا دیا جاتا؟ نیز جب سورتوں کے لئے کوئی خاص مقدار نہیں ٹھہرائی گئی' بڑی چھوٹی ہر طرح کی سورتیں ہوئیں' تو اگر سورہ کے اندر کوئی نظمی وحدت مد نظر نہیں ہے تو آیتوں کو ایک لڑی میں پرونے کی کیا ضرورت تھی' اجزاء یوں ہی بکھیر دیے جاتے؟ اور اگر سطر سطر کے برابر اجزاء ہوتے جب بھی کوئی مضائقہ نہ ہوتا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آیات کا ایک مجموعہ ایک سورہ کے اندر رکھا گیا اور وہ سورہ کے نام سے موسوم ہوا۔ گویا ایک شہر بسا کر اس کے ارد گرد شہرپناہ کھینچ دی گئی۔ تو اب غور کرنے کی بات ہے کہ ایک ہی شہرپناہ کے اندر کئی شہر کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ یہ بھی واضح ہے کہ معانی کا تشابہ بھی ان کو ایک شہرپناہ کے اندر نہیں جمع کرتا۔ **معوذتین** (قل اعوذ برب **الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس**) باہم دگر جس قدر مشابہت رکھتی ہیں معلوم ہے۔ تاہم ان دونوں کو ایک سورہ نہیں قرار دیا گیا بلکہ دونوں دو مستقل سورتیں قرار پائیں۔ اسی طرح سورہ تکویر' **انشقاق**' مرسلات' **نازعات**' ذاریات سب ہم معنی سورتیں ہیں لیکن نظم اور اسلوب کلام ان میں مختلف ہیں۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ جب قریش قرآن کے مانند دس سورتیں لانے سے عاجز رہے تو کم از کم ایک سورہ پیش کرنے کے لئے مطالبہ ہوا۔ اس سے کم کے لئے مطالبہ نہیں ہوا۔ اور سورتیں چھوٹی بڑی ہر قسم کی مراد ہوئیں لیکن اس سے ایک سورہ کے بقدر کلام مراد نہیں ہوا۔ ہمارے بعض مفسرین' جو اس نکتہ سے واقف نہ تھے بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن نے اپنے مانند ایک سورہ کے بقدر کلام پیش کرنے کا بھی مطالبہ کیا ہے' ان کو کلام کی اتنی مقدار میں وجہ اعجاز تلاش کرنے میں زحمتیں پیش آئیں۔ **مثلاً** آیت **حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم الایہ** (نساء 23) سورہ کوثر سے مقدار میں زیادہ ہے لیکن اس سوال میں ان کو حیرانی پیش آئی کہ اس میں اعجاز کا پہلو کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ قرآن نے جو مطالبہ کیا ہے اس میں پیش نظر ایک سورہ بحیثیت مجموعی ہے۔ بلا شبہ

آیت تطہیر سے مراد سورہ 21 الاحزاب کی آیت 33 ہے۔ شیعہ کے نزدیک اس کا مصداق حضرت علیؑ' حضرت فاطمہؑ اور حضرات حسن و حسینؑ ہیں (مرتب)

کسی سورہ کی مثال پیش کرنا تمام جن و بشر کی طاقت سے باہر ہے اگرچہ سورہ کوثر کی سی مختصر سورہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ سورہ سے اللہ تعالیٰ کی مراد ایک منظم کلام ہے۔ اس میں چھوٹی اور بڑی کا امتیاز نہیں ہے۔ جس طرح درخت' نبات اور حیوان کے الفاظ ہیں جو اپنے تحت کے تمام چھوٹے بڑے اجزاء پر مشتمل ہیں اسی طرح سورہ کا لفظ چھوٹی اور بڑی تمام سورتوں پر مشتمل ہے۔ بعض علماء کے اقوال سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے اتقان میں جعبری کا ایک قول نقل کیا ہے۔

"سورہ کی حد قرآن کی اتنی مقدار ہے جو چند آیات پر مشتمل ہو' جن میں تمہید اور خاتمہ ہو اور اس کی کم سے کم مقدار تین آیت ہے۔"

اس محقق کے نزدیک سورہ کے لئے ایک ایسی نظمی وحدت ضروری ہے جس میں تمہید' خاتمہ اور عمود ہو اس لئے کم از کم تین آیتیں ایک سورہ کی تالیف کے لئے ضروری ہوئیں۔

مزید برآں اگر تم چھوٹی سورتوں پر تدبر کرو گے تو معلوم ہو گا کہ ربط و نظام کے محاسن کے لحاظ سے وہ بھی بڑی سورتوں کی ہمسر ہیں۔ چھوٹی سورتوں کے اندر بھی ربط و پیچیدگی کی وہ تمام نزاکتیں موجود ہیں جو بڑی سورتوں کے اندر ہیں۔ اس وجہ سے یہ خیال کرنا کہ چھوٹی سورتوں مثلاً" سورہ ماعون' سورہ کوثر' اور سورہ عصر وغیرہ میں بے نظمی ہے سخت غلطی ہے۔ ان سورتوں کا باریک نہج اگر تمہاری سمجھ میں آ جائے تو بڑی سورتوں کا نہج سمجھنے میں اس سے تمہیں بڑی مدد ملے گی۔ اسی طرح بڑی سورتوں کے اندر آیتوں کے ایسے مجموعے ہیں جن کا نظم و ربط بالکل واضح ہے' صرف ایک غبی آدمی ہی ان کے سمجھنے سے قاصر رہ سکتا ہے۔ مثلاً" سورہ بقرہ کی ابتدائی بیس آیتیں اپنے نظم کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں۔ پس جو شخص ان میں تفکر کرتا ہے اس میں آہستہ آہستہ ان سے زیادہ دقیق نظام سمجھنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن کے تدبر میں میرا یہی حال ہوا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جو لوگ جستجو کی یہ راہ اختیار کریں گے وہ بالآخر نظم قرآن کو پالیں گے۔ **والذین اھتدو وزادھم ھدی۔**

نظام اور مناسبت میں فرق:

بعض علماء نے آیات اور سورتوں کی باہمی مناسبت کے باب میں کئی تصانیف چھوڑی ہیں لیکن نظم قرآن کے باب خاص میں کوئی تصنیف میرے علم میں نہیں آئی۔ میرے نزدیک نظام اور مناسبت میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ مناسبت نظام کا محض ایک حصہ ہوتی ہے کیونکہ آیات کی باہمی مناسبت کلام کے بارے میں کوئی مستقل بالذات چیز واضح نہیں کرتی۔ ایک ایسا شخص جو محض مناسبت کا متلاشی ہو وہ آیات کی کسی بھی مناسبت پر قناعت کر سکتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ اول تا آخر پورے کلام کو منظم کرنے والی مناسبت سے غافل ہو سکتا ہے۔ ایسا شخص پاس پاس کی ایسی دو آیتوں

میں بھی مناسبت تلاش کرنے لگے گا جن کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہو بلکہ ان میں سے ایک آیت کسی سابقہ سلسلہ بیان سے متعلق ہو۔ قرآن مجید میں اس طرح کے بے شمار مواقع ہیں۔ ان مواقع پر بڑے ذہین لوگوں کو بھی آیات کی باہمی نسبتیں معلوم کرنے میں مشکل پیش آئی ہے۔ اور جب پاس کی آیات میں ان کو ربط نظر نہ آیا تو انھوں نے ان کے درمیان کسی مناسبت کا انکار ہی کر دیا' حالانکہ ان آیات کا تعلق اوپر کچھ فاصلے پر وارد ہونے والے کسی مضمون سے تھا۔

نظم سے ہماری مراد سورہ کے اجزاء کی وہ باہمی نسبت ہے جس کے معلوم ہونے پر پوری سورہ ایک وحدت میں ڈھل جائے۔ اس صورت میں کلام کا مفہوم اس قدر مربوط اور ایک ہی مرکزی مضمون کا حامل نظر آتا ہے کہ پوری سورہ مشخص ہو کر سامنے آتی ہے اور کلام میں ایک جمال' ایک پختگی اور وضاحت کا ادراک ہوتا ہے۔ نظم محض ایک سورہ تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس سورہ کی مناسبت ان سورتوں کے ساتھ معلوم ہو جائے جو اس کے ساتھ متصل ہیں۔ اگر ان کے ساتھ اس کی مناسبت واضح نہ ہو تو ان سورتوں کے ساتھ اس کا تعلق معلوم ہو جائے جو اس سے پہلے یا بعد میں کچھ فاصلے پر واقع ہیں' کیونکہ عین ممکن ہے کہ جس طرح بعض آیات جملہ معترضہ کے طور پر کلام میں آ جاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی معترضہ سورتیں بن کر آئی ہوں۔ نظم معلوم ہو جانے کے بعد اول سے آخر تک پورا قرآن مناسبت و ترتیب رکھنے والا اور کامل وحدت سے متصف نظر آئے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ نظم محض مناسبت یا محض ترتیب اجزاء سے زائد ایک چیز ہے۔

وحدانیت:

نظام وہی قابل قبول ہو سکتا ہے جو پوری سورہ کو ایک وحدت عطا کرے اور اس کے تمام اجزا ایک خاص مرکزی مضمون' جس کو ہم عمود کہیں گے سے' مربوط ہو جائیں۔ لہٰذا نظم کے متلاشی کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ کلام کے سیاق پر غور کرے۔ ہر سورہ میں مختلف مطالب ہوتے ہیں۔ یہ متعین نہیں ہو پاتا کہ یہ مطالب کس عمود کی طرف لے جا رہے ہیں۔ جب تک کلام کے سیاق و سباق کو نہ سمجھا جائے اس کے مختلف حصوں کا باہمی تعلق سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ پہلو جان لئے جائیں جو ان مختلف حصوں کو ایک لڑی میں پرو دیں۔

فی الجملہ کلام کا نظام ہی سورہ کو وحدانیت عطا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ ایک کامل و مستقل بالذات وحدت بنتی ہے' جس کا ایک عمود ہوتا ہے جس کی طرف اس کے تمام اجزاء پلٹتے ہیں۔

وحدانیت' مناسبت اور ترتیب کے لحاظ سے کلام کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ ایک کلام وحدانیت رکھتے ہوئے بھی تناسب و ترتیب سے خالی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کتاب پند و نصائح کی جامع ہے۔ اس میں دین و اخلاق اور معاشرت و سیاست سے متعلق متعدد اقوال بغیر کسی ترتیب کے

جمع کر دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب گو وحدانیت سے خالی نہیں ہو گی' (اس کی وحدانیت کمزور سہی) کیونکہ یہ تمام تر پند و نصائح کے باب میں ہے' لیکن اس میں تناسب و ترتیب کا فقدان ہو گا۔ اب اس کتاب کے اقوال کو دین و اخلاق وغیرہ کے الگ الگ ابواب میں تقسیم کر کے کتاب تصنیف کر دو تو گو اس کتاب میں تناسب ہو گا لیکن وحدانیت حسب سابق کمزور رہے گی۔ انھی نصائح کو کلیلہ و دمنہ☆ کے انداز پر ایک جامع قصہ کی شکل میں جمع کر دو تو مجموعی طور پر اگرچہ یہ تصنیف کمزور وحدت رکھتی ہو گی لیکن الگ الگ اس کے ہر باب میں وحدت پائی جائے گی۔ پند و نصائح کے اسی مواد کو جب حسن ترتیب اور مناسبت کے ساتھ ابواب میں تقسیم کرو گے اور کلام کو اس طرح مرتب کرو گے کہ ہر باب میں ایک ہی مضمون بیان ہو اور یہ تمام کا تمام ایک خاص موضوع سے متعلق ہو جائے اور اس کے تمام اجزاء میں باہمی مناسبت پیدا ہو جائے تو اب یہ کتاب کامل نظام رکھنے والی ہو گی۔ گویا کلام کے حسن ترتیب اور حسن تناسب کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط وحدانیت بھی حسن نظام کی ایک لازم شرط ہے۔

کلام کے اجزائے ترکیبی:

نحوی اعتبار سے ایک جملہ کئی اجزائے ترکیبی کا مجموعہ ہوتا ہے اور اس کو مبتدا' خبر' فعل' فاعل مفعول' حال' تمیز' وغیرہ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ منظم کلام چونکہ کچھ جملوں ہی کا مجموعہ ہوتا ہے' لہٰذا اس کے بھی اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں۔ اور وہ ہیں عمود' تمہید' نفس مضمون اور خاتمہ۔ ان کی ضروری وضاحت حسب ذیل ہے۔

عمود:

نظام اور وحدانیت رکھنے والے ہر کلام کا ایک عمود ہوتا ہے۔ یہ پورے خطاب کے تمام مطالب کا شیرازہ اور کلام کا مقصود و مطلوب اور حاصل ہوتا ہے۔ عمود کلام کی ترتیب کا جزو نہیں ہوتا بلکہ یہ اس میں روح کی طرح جاری و ساری ہوتا ہے اور کلام کی ایک ایک سطر اسی کی شرح و تفصیل اور دلیل مہیا کرتی ہے۔ اس کو مخفی رکھنا اچھا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کے معلوم کرنے کے لئے کلام پر گہرے فکر و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے ٹھیک ٹھیک واقف ہونے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ آدمی نظم کلام میں غور کرے' جملوں کے دروبست کو پہچانے اور کلام کے مطالب کا اچھی طرح احاطہ کرے۔ اس غور و فکر کے بعد جو عمود سمجھ میں آئے اس کی روشنی میں دیکھے کہ مزید تفصیل میں جانے کے بعد بھی حسن نظام ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نظام کے ساتھ یہ مفروضہ عمود ٹھیک بیٹھ

☆ کلیلہ و دمنہ عباسی عہد کے مشہور ادیب ابن المقفع کی تصنیف ہے جس میں جانوروں کے ایک قصہ میں اخلاقیات کی تعلیم دی گئی ہے۔ (مرتب)

جائے تو اسے اختیار کرے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو اسے ترک کر کے دوسرا عمود تلاش کرے۔

عمود ہمیشہ کلی امور میں سے ہوتا ہے۔ اس کا تعلق وقت یا زمانے کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سورہ میں اگر خاص احکام بیان ہوئے ہوں تو وہ ضمنی طور پر کلی امور کے تحت ہی آتے ہیں☆۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ وہ مستقل طور پر آئے ہوں۔ لہذا ضروری ہوتا ہے کہ احکام کو ان کے اصول کے ساتھ مربوط کیا جائے۔ باقی رہ گئے خاص واقعات جن کا تذکرہ سورہ میں ہوا ہو تو ان کی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کے نزول کا موقع پیدا کیا۔ ان کا ذکر اس لئے آتا ہے کہ وہ سننے والے کی توجہ کو مبذول کرنے کا باعث بنیں۔ عمود کے لئے عظیم الشان بات نہیں بلکہ سب سے زیادہ جامع بات ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ سورہ کے تمام مطالب کے لئے شیرازہ کا کام دیتا ہے۔ ہاں بیان کے لحاظ سے وہ سورہ کے اندر سب سے اہم چیز ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سورہ نور کے اندر آیت "**اللہ نور السموات والارض ــــ الایہ**" کو لیجئے۔ یہ کس طرح آفتاب تاباں بن کر چمک رہی ہے لیکن اس کے باوجود وہ سورہ کے اندر عمود کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ ایک بالکل ضمنی مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ عمود اس کا عورتوں سے متعلق حسن ادب کی تعلیم ہے۔ اسی وجہ سے پیغبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ یہ سورہ عورتوں کو پڑھائی جائے تاکہ وہ اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کو معلوم کر سکیں۔

عمود ہر سورہ کا ایک ہی ہوتا ہے لیکن یہی ایک بسا اوقات بہت سی چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ مثلاً" سورہ حجرات کے عمود کو لو۔ ہے یہ ایک ہی بات گو لغت میں ہم اس کے لئے ایک ہی جامع لفظ نہ پا سکیں۔ تعبیر مطلب کے لئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس سورہ میں بد خلقی پر ملامت اور جھڑکی ہے' عام اس سے کہ وہ بد خلقی خیال سے تعلق رکھتی ہے یا قول سے یا عمل سے۔ چنانچہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گفتگو میں سبقت' آپ کی آواز پر آواز بلند کرنے' عام آدمیوں کی طرح آپ کو پکارنے' بے ضرورت اور بے موقع آپ کو زحمت دینے اور کسی فاسق کی اطلاع پر کسی قوم پر ٹوٹ پڑنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ پھر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اصلاح' ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت اور ان کے درمیان عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے ساتھ تمسخر سے' ان کی عیب جوئی سے' تنابز بالالقاب سے' بد گمانی سے' تجسس سے' غیبت سے' تزرر سے' اور ادعائے پارسائی سے اور پھر سب سے بد ترین شے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اسلام کا احسان دھرنے سے روکا گیا ہے۔

☆ اس کی مثال سورہ طلاق کے احکام ہیں جو سورہ کے ایک بڑے حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں لیکن وہ اس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے آئے ہیں کہ عسرت و تنگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ضروری ہے۔ (مرتب)

عمود کی تلاش ایک مشکل کام ہے:

سورہ کے عمود کی تعیین اگرچہ اس کے نظام کی معرفت کی کنجی ہے' لیکن ہے یہ انتہائی مشکل کام۔ اس کے لئے بڑے تدبر' چھان پھٹک اور آگے پیچھے کی ہم مضمون سورتوں پر اس وقت تک غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب تک کہ عمود آفتاب کی مانند چمکنے نہ لگے' اس سے سورہ کا ایک ایک گوشہ روشن نہ ہو جائے اور ہر آیت کا موقع و محل اور اس کی راجح تاویل متعین نہ ہو جائے۔ عمود کی تلاش کا یہ کام بوجوہ مشکل ہے' ان میں سے چند اہم وجوہات کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید متشابہ و مثانی نازل ہوا ہے۔ اس میں کئی سورتیں متشابہ مطالب کی حامل ہوتے ہوئے مختلف عمود رکھتی ہیں۔ یا اس کے برعکس ان کے مضامین غیر مشابہ ہیں۔ جبکہ عمود ایک ہی ہے۔ مشابہ سورتوں کے عمود مختلف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک ہی چیز کو مختلف کلیات کے تحت داخل کرنا ممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ جب تک آدمی ایک سورہ کے مضامین میں بار بار غور کر کے اور ممکن عمودوں میں سے راجح عمود کو متعین نہیں کر لیتا' اس وقت تک اس کی حالت اس مسافر کی ہوتی ہے جو چوراہے پر پہنچ کر بھٹک جائے' اور جس راستہ پر جائے اپنی منزل سے دور ہوتا چلا جائے۔

دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ خدا نے قرآن کو جس طرح عقائد و شرائع کے واجبات کی تعلیم کے لئے نازل فرمایا اسی طرح اس کا ایک مقصد تعلیم حکمت بھی رکھا ہے۔ تعلیم حکمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص فرائض میں سے تھی' اسی لئے آپ کو خیرالمعلمین بنایا اور وہ آیات عطا فرمائیں جو کمال تعلیم ہیں۔ تعلیم حکمت کا یہ اصول ہے کہ یہ معارف کے بتا دینے سے نہیں بلکہ فکر و عقل کے اس حد تک استعمال سے حاصل ہوتی ہے جس سے آدمی کی پوشیدہ قوتیں ظاہر ہو جائیں۔ چنانچہ جس طرح ہر تربیت کا اصول ہے قرآن کو ایک پہلو سے ظاہر و واضح بنایا لیکن دوسرے پہلو سے اسے سربستہ راز رکھا۔ اس کے باطن کے بھی کئی درجے ٹھہرا دیئے تاکہ لوگ اس کی طرف رہنمائی پائیں اور جو شخص اس میں جتنی محنت کرے اتنا ہی زیادہ وہ اس کے قریب معنی سے بعید معنی کی طرف ترقی کرتا چلا جائے۔ تربیت کے عمل کی تکمیل ان کے بغیر ممکن بھی نہیں ہوتی۔

کلام جب اپنے ظاہر کے لحاظ سے منظم ہوتا ہے تو قاری کو اس کے سمجھنے کے لئے زیادہ غور و فکر نہیں کرنا پڑتا لیکن جب اس کا ربط کہیں واضح ہو اور کہیں مخفی رہ جائے تو قاری کے لئے سوچ بچار لازم ہو جاتا ہے۔ خدائے علیم و حکیم کے کلام کو پڑھنے والا اس کی طرف بے ربطی کا واضح عیب منسوب کر کے کیسے مطمئن ہو سکتا ہے؟ پس مامون وہی شخص ہے جو قرآن کے نظام پر یقین رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے نظام کو مخفی رکھنے میں بھی درجات کا لحاظ رکھا ہے۔ اس کا بیشتر حصہ تو حد درجہ مخفی ہے۔ چونکہ نظام کو سمجھنے کے لئے لوگوں کو غور و فکر پر ابھارنا مقصود تھا اس لئے عمود کو مخفی کر دیا

گیا۔ اگر سورتوں کے عمود واضح کر دیئے جاتے تو ان کے نظام کو سمجھنے کے لئے کچھ زیادہ مشقت نہ اٹھانی پڑتی' اس کے نتیجہ میں کلام غور و فکر کا محتاج نہ ہوتا اور تعلیم حکمت کا مقصد فوت ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے عقلوں کی آزمائش کی خاطر عمود کو مخفی رکھنا تھا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس تک رسائی مشکل بنا دی جائے۔ لہٰذا اس کو ثریا کی سی بلندی پر رکھ دیا گیا۔

تیسری وجہ عمود کے مشکل ہونے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ مقصد ہی کی خاطر قرآن مجید کو غایت درجہ مختصر بنایا لیکن اس کو حکمتوں سے معمور کر دیا۔ اس کے عالی مضامین اور گراں قدر مطالب کی بنا پر ایک قاری متحیر ہو جاتا ہے کہ یکساں اہمیت کے حامل کئی مضامین میں سے وہ ایک عمود کا انتخاب کیسے کرے۔ میں نے کلام اللہ کی ترتیب میں اس بات کا مشاہدہ بھی کیا ہے کہ کلام ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف منتقل ہوتا چلا جاتا ہے اور تمام کا تمام اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو سورہ کا مقصد قرار دیا جائے۔ اس کے بعد ایک مرحلہ آتا ہے کہ کلام اپنے آغاز کی طرف مڑ جاتا ہے۔ چنانچہ مضامین ایک حلقہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اب یہ کتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کونسا مضمون عمود کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح بہت سارے عمدہ جواہر ہوں' ان میں سے ہر ایک خوبصورتی میں دوسرے کو مات دے رہا ہو اور آدمی فیصلہ نہ کر پائے کہ ان میں سب سے اچھا کونسا ہے' اس صورت حال میں یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کس کو ترجیح دے کر ہار کے وسط میں جگہ دی جائے۔ یہی کیفیت عمود کے متلاشی کی ہوتی ہے۔

قرآن کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ ایک پہلو دار ہیرے کی طرح کئی پہلو رکھتا ہے۔ اس کی شعاعیں اگرچہ مختلف جانب سے نکلتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ رہنمائی ایک ہی راہ کی طرف دیتا ہے۔ اس کے کلمات سب کے سب سورج ہیں۔ آدمی کے بس میں نہیں ہوتا کہ وہ ان سب کی شعاعیں ایک نقطہ پر مرتکز کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اس کے تمام فوائد اور خواص کا احاطہ کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ لہٰذا آدمی کی کوشش کا مقصود یہ ہونا چاہئے کہ وہ عمود کلام کی تلاش میں کمر ہمت کس لے اور جس قدر ممکن ہو اس کے مخفی فوائد کو روشنی میں لائے۔

مثال کے طور پر قرآن جب کسی امر کو ثابت کرنا چاہتا ہے تو دیکھو گے کہ اس کے دلائل بکثرت اور مختلف اطراف سے ہوتے ہیں لیکن یہ سب ایک ہی عمود کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اس سے کلام کا نظام گڈ مڈ ہو جاتا ہے اور ایسا شخص تو اس کی طرف رہنمائی ہی نہیں پاتا جس نے تدبر نہ کیا ہو یا قرآن کے نظام کے سوا دوسرے کلام کے نظام کا عادی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک زمینی چیز کو کرید رہا ہوتا ہے لیکن نگاہ اوپر کی طرف نہیں اٹھاتا کہ آسمانی چیز کو دیکھ سکے۔ ستارے اس کے سر کے اوپر جگمگ جگمگ کر رہے ہوتے ہیں لیکن وہ سر نیوڑائے ہوئے چل رہا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ستاروں کی روشنی اس کی راہ کو روشن کرنے کے لئے موجود ہوتی ہے الا یہ کہ وہ اپنی خواہش

کے پیچھے اندھا نہ ہو جائے۔ اس صورت میں اس کی خواہش قرآن کی راہ کے مخالف اور اس کے پیش و عقب کے لئے رکاوٹ بن جاتی ہے۔ وہ کلمات میں تحریف پر آمادہ کرتی اور اس کے قدم کج کر دیتی ہے۔ قرآن کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ ایسا آدمی کب پھسلا اور کہاں ہلاک ہوا۔ اس آدمی کا گناہ اسی کی گردن پر ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ لیکن قرآن سے وہی لوگ گمراہ ہوتے ہیں جو فاسق اور بد عہد ہوتے ہیں۔

سورتوں کی نمایاں آیات کی حیثیت:

اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ایک سورہ کی تمام آیات اہمیت کے لحاظ سے بالکل مساوی نہیں ہوتیں۔ بعض آیات کو دیکھو گے کہ اپنے اطراف کی آیات کے درمیان نہایت بلند ہو گئی ہیں۔ یہ چیز کلام کے حسن کے اعتبار سے بہت مناسب اور تعلیم کے پہلو سے نہایت موزوں ہے۔ آیات کی اہمیت کا فرق غور کرنے سے تو واضح ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن اس کی صراحت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی جب آپ بعض آیات کے فضائل بیان فرمائے۔ ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم ان نمایاں آیات پر خاص طور پر غور کریں تاکہ ان کے محاسن و مطالب کی وضاحت ہو اور کی دلالت وا ہو سکے تاکہ لوگ ان پر سے بہرے اور اندھے بن کر نہ گزر جائیں۔

مثال کے لئے سورہ حدید کو دیکھو۔ اس سورہ کے حسب ذیل آیات کی رفعت و منزلت سے آنکھیں بند کرنا ممکن نہیں:

ا۔ **ھو الاول و الاخر و الظاہر و الباطن۔** (آیت 3)

ب۔ **یوم تری المو والمومنات یسعی نورھم بین ایدیھم و با یمانھم** (آیت 12)

ج۔ **الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ** (آیت 16)

د۔ **اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب و لھو وزینۃ و تفاخر** (آیت 20)

ہ۔ **و انزلنا معھم الکتب و المیزان لیقوم الناس بالقسط** (آیت 25)

و۔ **ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنا ھا علیھم** (آیت 27)

ز۔ **یوتکم کفلین من رحمتہ** (آیت 28)

ح۔ **لئلا یعلم اھل الکتب الا یقدرون علی شئی** (آیت 29)

اسی طرح کی نادر آیات ہر سورہ میں نظر آتی ہیں لیکن یہ وہ چیز نہیں جس کو ہم عمود سے تعبیر کرتے ہیں البتہ ان پر غور و فکر بے حد اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور کبھی وہ عمود تک پہنچنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ ان نمایاں آیات کو کسی عنوان کے تحت جمع کرنا بھی مشکل ہے کیونکہ یہ مختلف پہلوؤں سے توجہ مبذول کرتی ہیں۔ یہ لغت' اعراب' بلاغت' تاریخ' فقہ یا حکمت کے مختلف پہلوؤں سے نمایاں ہوتی ہیں۔ جس طرح ٹیلے پر جلتی ہوئی آگ کی طرف آدمی متوجہ ہو جاتا ہے اسی طرح ان آیات کی

بقیہ صفحہ 6 پر

مقالات

خالد مسعود

معاہدہ حدیبیہ کے اثرات و نتائج

شرائط صلح پر مسلمانوں کی آزردگی:

صلح کی شرائط طے کرنے کے مرحلہ میں مسلم کیمپ میں عدم اطمینان کی کیفیت رہی۔ اس کی وجہ قریش کا بعض ایسی شرائط پر اصرار تھا جن سے ان کی فوقیت کا اظہار ہوتا تھا اور مسلمان محسوس کرتے تھے کہ وہ قریش کے دباؤ میں ان شرائط کو تسلیم کر رہے ہیں۔ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ ان شرائط سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے تاب ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ یا رسول اللہ' کیا ہم حق پر اور قریش باطل پر نہیں ہیں! آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ انھوں نے پھر پوچھا' کیا جنگ ہونے کی صورت میں ہمارے مقتولین جنت میں اور قریش کے مقتولین جہنم میں نہ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا' بلا شبہ ایسا ہی ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں کہ لوٹ جائیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا' ابن خطاب: میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔

اس مکالمہ میں حضرت عمرؓ جس ذہن کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں وہ عمرہ ادا کئے بغیر لوٹ جانے کو باعث ذلت محسوس کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ بیعت رضوان کے تقاضا کو اس کے حتمی انجام تک پہنچانے کے لئے قتال کی راہ اختیار کی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کا رسول براہ راست اللہ کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو حق کے لئے باعث ندامت ہو۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق مکہ سے مدینہ جانے والے مسلمانوں کو قریش کے حوالہ کرنے کی شرط میں فریقین میں جو نا برابری تسلیم کر لی گئی تھی اس پر بھی بعض صحابہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت چاہی تو آپ نے فرمایا' جو شخص ہمیں چھوڑ کر قریش کے پاس چلا جائے گا اس کو اللہ نے رد کر دیا۔ وہ شخص ہمارے کام کا نہیں۔ رہا وہ شخص جو ہمارے پاس مدینہ آئے گا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ عنقریب کوئی سبیل پیدا کرے گا۔ اس شرط کا فوری اطلاق عین معاہدہ کی تحریر کے وقت خود سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندلؓ پر ہوا۔ وہ مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے۔ انھوں نے بھاگ کر مسلم کیمپ میں شامل ہونا چاہا۔ سہیل نے مطالبہ کر دیا کہ معاہدہ کے مطابق میرے لڑکے کو میرے حوالہ کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو معاہدہ دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندلؓ کو تسلی

دی کہ حوصلہ رکھو' اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشائش پیدا فرمائے گا۔ اور ان کو قریش کے حوالہ کر دیا۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ان میں معاہدہ کے یک طرفہ ہونے کا احساس پیدا ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی متعلقہ دفعہ کی جو وضاحت فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس مسئلہ کو ہدایت و ضلالت کے بارے میں سنت الہیہ کی روشنی میں دیکھا۔ جو شخص اسلام کی روشنی دیکھنے کے بعد پھر سے گمراہی کی تاریکی میں جانا چاہتا ہے تو فی الواقع اللہ ہی نے اس کو قبول حق کی توفیق سے محروم کر دیا۔ ایسا شخص مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کیوں وابستہ رکھا جائے گا۔ ایسے شخص کو قریش سے واپس لینے کا فائدہ؟ اسی طرح مکہ کے مسلمانوں کے لئے کشائش کی امید اس بنا پر تھی کہ معاہدہ اللہ تعالیٰ کی براہ راست نگرانی میں نبی کے ہاتھوں طے پا رہا تھا۔ اس کے نتائج اللہ کے اختیار میں تھے۔

صلح نامہ تحریر ہو چکا تو اب حدیبیہ میں قیام کو طول دینے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ ایسی صورت حال کے لئے جس میں حج یا عمرہ کی نیت کر لینے کے بعد کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے اور حج یا عمرہ کرنا ممکن نہ ہو رہا ہو تو سورہ بقرہ کی آیت 196 میں یہ ہدایت نازل ہو چکی تھی کہ ہدی کے جانور رکاوٹ کے مقام پر ہی قربان کر کے احرام کھول دیا جائے۔ اس ہدایت کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ قربانی کریں' سر منڈائیں اور احرام کھول دیں۔ صحابہؓ بیعت رضوان کی کارروائی کے بعد معاہدہ صلح کی شرائط پر اس قدر ملول اور دل گرفتہ تھے کہ وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور کوئی شخص تعمیل حکم کے لئے نہ اٹھا۔ آنحضرتؐ نہایت پریشانی کے عالم میں اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے چہرہ مبارک کو متفکر دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ آپ نے مسلمانوں کے رویہ کا ذکر کیا تو ام المومنینؓ نے مشورہ دیا کہ حضور' آپ خود اپنی طرف سے قربانی کر دیں۔ لوگ آپ کو دیکھیں گے تو پیچھے نہیں رہیں گے۔ آپ نے ایسا ہی کیا تو پورے کیمپ میں حرکت پیدا ہوئی اور لوگ اتباع پیغمبرؐ میں جانور ذبح کرنے اور بال منڈوانے لگے۔ احرام کھولنے کے بعد آنحضرت نے مدینہ واپسی کا حکم دیا۔

حدیبیہ سے واپسی کے سفر کے دوران مسلمان نہایت مضمحل اور افسردہ تھے۔ ہر شخص سوچوں میں گم تھا۔ جو سوالات لوگوں کو پریشان کر رہے تھے اور ان کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ حسب ذیل تھے

1- ایسے سفر کا کیا فائدہ تھا جس سے مسلمانوں کو بے نیل مرام گھروں کو لوٹنا پڑ رہا ہے اور دشمن خوشی کے شادیانے بجا رہا ہے۔

2- بیعت قتال ہو جانے کے بعد صلح کی ضرورت کیا تھی جبکہ ہمارا اصل ہدف تو فتح مکہ تھا۔

3- نبی کی رویا تو سچی ہوتی ہے۔ آخر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رویا کیوں غلط ثابت ہوئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تسلی دی کہ وہ صحت و سلامتی کے ساتھ واپس لوٹ آئے ہیں۔ دشمن کے مرکز میں جانے کے باوجود کشت و خون کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اجر' جہاد اور عمرہ دونوں کا' بالکل محفوظ ہے۔ جہاں تک رویا کا تعلق ہے وہ بھی برحق ہے لیکن اس میں وقت کا تعین تو تھا نہیں۔ اس لئے عمرہ اگر ایک سال کے لئے موخر ہو گیا ہے تو یہی اس کا مناسب اور مبنی بر مصلحت وقت تھا۔ تم یہ عبادت اگلے سال کر سکو گے۔ لیکن صحابہ کو واپسی کا اتنا شدید صدمہ تھا کہ ذہن کسی طرح اطمینان نہیں پاتے تھے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر کرم فرمائی اور سفر کے دوران ہی میں سورہ فتح نازل ہوئی۔ نزول وحی کے بعد آنحضرتؐ نے صحابہ کو بتایا کہ آج رات مجھ پر وہ سورہ اتری ہے جو مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ آپ نے سورہ سنانے کے لئے حضرت عمرؓ کو خاص طور پر بلوایا کیونکہ وہ اپنی بے اطمینانی کا برملا اظہار کر چکے تھے۔ اس سورہ میں ان سوالوں کا شافی جواب ہے اگیا جو صحابہؓ کے ذہنوں کو پریشان کر رہے تھے۔

سورہ فتح میں اہل ایمان کے اس رویہ کی بھرپور انداز میں تعریف کی گئی ہے جو انھوں نے اس مہم میں اپنایا۔ فرمایا کہ یہ اس سکینت کی بدولت ممکن ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نازل فرمائی۔ اس سورہ میں مشرکین مکہ کے رویہ کی تنقیص ہے جس کا باعث ان کی حمیت جاہلیت بنی۔ اہل ایمان کو ان مصالح سے آگاہ کیا گیا ہے جن کی خاطر دخول مکہ کو موخر کر دیا گیا۔ بیعت رضوان پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا گیا کہ جنگ کی نوبت کیوں نہ آنے دی گئی۔ معاہدہ کے بارے میں اس تاثر کو زائل کیا گیا کہ اس میں مسلمانوں کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ بتایا گیا کہ یہ معاہدہ فتح مبین ہے کیونکہ اس سے فتح مکہ کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ بس اب منزل پانے میں دو چار ہاتھ ہی رہ گئے ہیں۔ سورہ میں اہل ایمان کو سفر کی صعوبت اور واپسی کی جو زحمت اٹھانی پڑی تھی اس کی تلافی کے لئے ایک قریبی فتح اور مال غنیمت کی خوشخبری سنائی گئی۔ ان میں سے ہر موضوع قدرے تفصیل چاہتا ہے۔

سکینت:

سکینت سے مراد صبر و سکون' حلم و وقار اور حکمت و تدبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سفر میں سکینت کی صفت سے خوب خوب نوازا۔ حریف کی اوچھی حرکتوں سے متاثر ہو کر انھوں نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جو اللہ کی رضا اور دین کے مصالح کے خلاف ہو' حالانکہ ایسے اشتعال انگیز حالات میں جماعتیں کوئی عاجلانہ قدم اٹھا کر اپنے مقصد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا لیتی ہیں۔ سکینت کا مظاہرہ جن مواقع پر ہوا ان کی نمایاں مثالیں حسب ذیل ہیں۔

1- مسلمان آنحضرتؐ کی ہم رکابی کی دعوت پر دشمن کے مرکز میں نہتے جانے سے خوف زدہ نہیں ہوئے۔ انھیں نبیؐ کی رویا کے حق ہونے کا یقین اور اس بات پر اعتماد رہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ساتھ ہے لہٰذا یہ سفر ان کے لئے ایمان میں اضافہ کا باعث بنا۔

2- مسلمان مدینہ سے عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے تھے۔ پورے سفر میں انھوں نے اپنے اس مقصد کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا اور نہ احرام کی پابندیوں سے غافل ہوئے۔ قریش کی اوچھی حرکتیں انھیں اپنے مقصد سے منحرف نہ کر سکیں۔

3- قریش کے نمائندوں کے ہتک آمیز رویہ اور طعن و تشنیع کے باوجود انھوں نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔

4- معاہدہ کی بعض دفعات پر رنج اور شدید جذباتی کیفیات پیدا ہونے کے باوجود انھوں نے کوئی باغیانہ اقدام نہیں کیا بلکہ اللہ کے رسول کے حکم پر استقامت دکھائی اور معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا۔

5- قتل عثمانؓ کی افواہ پر انھوں نے نہایت جوش و جذبہ کے ساتھ بیعت کی حالانکہ وہ باقاعدہ جنگ کے لئے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ ان کا تمام تر بھروسہ اللہ کی نصرت پر تھا۔

حمیت جاہلیت:-

حمیت جاہلیت سے مراد قریش کا حق و عدل کے بالکل خلاف محض اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے اپنے غلط موقف پر بضد ہونا ہے۔ اس کے بھی متعدد مواقع پیدا ہوئے۔

1- مسلمانوں کی آمد کی خبر ملتے ہی انھوں نے' آمد کے مقصد کی تحقیق کئے بغیر' یہ مفروضہ قائم کر کے کہ مسلمان بیت اللہ پر قابض ہونا چاہتے ہیں اس بات کا حلف اٹھا لیا کہ وہ ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ محض ایک جذباتی فیصلہ تھا۔

2- متعدد ذریعوں سے یہ اطلاع ملنے کے باوجود کہ مسلمان عمرہ کرنے میں مخلص ہیں' قریش اپنے فیصلہ میں ترمیم پر آمادہ نہیں ہوئے اور یہ رویہ ان کی صفوں میں انتشار کا باعث بھی بن گیا۔

3- بین الاقوامی دستور کے خلاف قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں کا احترام نہیں کیا حالانکہ اگر وہ یہ حرکت نہ کرتے تو اپنے منصب کے وقار میں اضافہ کرتے اور نتائج بھی ان کے حق میں بہتر نکلتے۔

4- معاہدہ کی شرائط طے کرتے وقت انھوں نے بلاوجہ الجھنیں پیدا کیں جس سے محض انا کی تسکین مقصود تھی ورنہ ان سے سیاسی فائدہ اٹھانا ممکن نہ تھا' جیسا کہ بعد کے حالات نے ثابت کیا۔

5- اس مسئلہ میں انھوں نے جو طرز عمل اپنایا اس نے پورے عرب پر واضح کر دیا کہ قریش بیت اللہ سے متعلق اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں جاہلی نخوت کو روا رکھتے ہیں اور تعظیم بیت اللہ کی ان کو اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی فکر اپنی بات اونچی رکھنے کی ہوتی ہے۔ یہ وہی بات تھی جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مدتوں سے فرما رہے تھے۔ قریش نے اس کا عملی ثبوت پیش کر دیا۔

عمرہ کے موخر ہونے کی حکمت:

سورہ فتح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رویا کے حوالہ سے فرمایا ہے۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین محلقین رء و سھم و مقصرین لا تخافون۔ (آیت 27)

"اللہ نے اپنے رسول کو مبنی بر حقیقت رویا دکھائی۔ بے شک اللہ نے چاہا تو تم مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے' امن کے ساتھ' اپنے سر منڈائے اور کترائے ہوئے' تمہیں کوئی اندیشہ نہ ہو گا۔" یعنی عمرہ کرنے کا موقع ضرور آئے گا اور وہ عمرہ اس شان کے ساتھ ہو گا کہ مسلمانوں کو کسی جانب سے کوئی خطرہ یا فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہوگا۔ گویا عمرہ کو اس طرح مامون و محفوظ کرنے کے لئے اس کو ایک سال کے لئے موخر کر دیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں اگر قریش کے موجودہ رویہ کے باوجود مسلمانوں کا عمرہ کرنے پر اصرار ہوتا تو قریش اپنے حلف کے مطابق جنگ سے گریز نہ کرتے اور مکہ کی گلیاں خون سے رنگین ہو جاتیں۔ اس صورت میں بالفرض مسلمانوں کو مناسک ادا کرنے کا موقع ملتا بھی تو وہ نہایت پر خطر حالات میں ملتا جبکہ ان کی تمامتر توجہ عبادات کی بجائے دشمن کے عزائم اور حرکات کی طرف ہوتی۔ معاہدہ کی رو سے عمرہ میں ایک سال کی تاخیر تو ضرور ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق عمرہ بغیر ایک قطرہ خون بہائے نہایت بے خوفی کی حالت میں ممکن ہوا۔

جنگ نہ ہونے کی حکمت:

قتال پر بیعت ہو جانے کے باوجود قتال کی راہ اپنانے کی بجائے صلح کی راہ اختیار کرنے میں کئی حکمتیں تھیں جن پر سے سورہ فتح نے پردہ اٹھایا۔ فرمایا

ھم الذین کفروا وصدو کم عن المسجد الحرام و الھدی معکوفا ان یبلغ محلہ ولولا رجال مومنون و نساء مومنات لم تعلمو ھم ان تطوھم فتصیبکم منھم معرۃ بغیر علم لیدخل اللہ فی رحمتہ من یشاء لو تزیلوا لعذبنا الذین کفرو امنھم عذابا الیما (آیت 25)

" وہی ٹھہرے ایسے لوگ کہ جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی روکے رکھا کہ وہ اپنی جگہ پر نہ پہنچنے پائیں۔ اور اگر ایسے مومن مرد اور مومنہ عورتیں نہ ہوتے جن کو تم لا علمی میں روند ڈالتے پس ان کے باعث تم پر لا علمی میں الزام آتا (تو ہم جنگ کی اجازت دے دیتے لیکن اللہ نے یہ اجازت اس لئے نہ دی) کہ جن کو وہ چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اور اگر وہ لوگ الگ ہو گئے ہوتے تو ہم ان لوگوں کو ان میں سے دردناک عذاب دیتے جنہوں نے کفر کیا۔"

اس آیت میں جنگ نہ ہونے کی تین حکمتیں بتائی گئی ہیں:

1- حدود حرم میں جنگ ہو جانے کی صورت میں قریش کی طرف سے سارے عرب میں زہریلا پروپیگنڈا کیا جاتا کہ نئے مذہب کے ماننے والے اشہر حرم کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں نہ بیت اللہ کا۔ یہ عربوں کی روایات کو کچل کر ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اس پروپیگنڈا کے نتیجہ میں پورے عرب میں اسلام کے خلاف بدظنی کا بیج بو دیا جاتا اور مسلمان ہر جگہ ایک مجرم کی طرح اپنے کردار کا دفاع کرنے پر مجبور ہوتے۔ جنگ کی بجائے صلح کی راہ اختیار کرنے میں مجرم قریش بن گئے۔ ہر عرب نے الزام دیا کہ ان لوگوں نے اپنے منصب سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے عمرہ کے لئے آنے والوں اور ھدیٰ کے جانوروں کو بیت اللہ کے پاس آنے سے روکا۔ لہٰذا عرب کی اس قیادت کی نااہلی کے بارے میں اسلام کا تبصرہ درست ہے۔ قریش کے اس رویہ کے برعکس مسلمانوں نے بیت اللہ اور حدود حرم کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھا جس کا ہر شخص مداح ہو گیا۔

2- مکہ میں بہت سے مرد اور عورتیں مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کے بارے میں کامل معلومات ابھی مسلمانوں کو نہیں پہنچی تھیں۔ اگر اس مرحلہ پر مکہ میں جنگ ہو جاتی تو یہ مسلمان اپنے ہی ہم مسلک بھائیوں کے ہاتھوں بے خبری میں نقصان اٹھاتے۔ اللہ نے یہ چاہا کہ اسلام اپنے ان جانثاروں سے محروم نہ ہو۔ ان اہل ایمان میں سے بعض نام محفوظ ہو گئے مثلاً" ابو جندل' ابو بصیر عتبہ اور ام کلثوم بنت عقبہ۔

3- مکہ میں متعدد ایسے لوگ بھی تھے جو اگرچہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے لیکن وہ اپنے اور اپنے لیڈروں کے رویہ سے مطمئن نہ تھے۔ ان کے دل و دماغ اسلام کی حقانیت کے قائل ہو چکے تھے۔ اللہ نے چاہا کہ یہ لوگ ضائع نہ ہوں اور وہ ان کو اپنے دامن رحمت میں لے لے۔ یہی لوگ تھے جو صلح کی فضا میں بڑی تیزی سے اسلام کی طرف بڑھے۔ قریش کے بڑے لوگوں میں سے خالد بن ولیدؓ' عمرو بن العاصؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ کے نام بڑے نمایاں ہیں۔ انہوں نے صلح کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا۔

فتح مبین:

قریش کے اشتعال انگیز رویہ اور مسلمانوں کی جذباتی کیفیت کی بدولت معاہدہ کے مضمرات ہر شخص پر فوراً" روشن نہ ہوئے جس کی وجہ سے قریش میں بالعموم برتری کا احساس اور مسلم کیمپ میں مایوسی اور افسردگی طاری رہی۔ سورہ فتح نے اس تاثر کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا۔

انا فتحنا لک فتحا مبینا (آیت 1)

" بے شک ہم نے تمہیں ایک کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی"۔

اس بشارت کی روشنی میں لوگوں نے جب معاہدہ کی دفعات کو گہری نظر سے دیکھا تو مان گئے کہ فی الواقع یہ معاہدہ فتح مکہ کی کلید ہے۔ اس معاہدہ کو فتح مبین قرار دینے کے متعدد پہلو بالکل واضح ہیں۔

1- قریش کا دس سال کے لئے جنگ بندی قبول کرنا اس بات کا اعتراف تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کی جنگی صلاحیت کا لوہا مان لیا ہے' وہ مسلسل حالت جنگ کو اپنے لئے نقصان دہ سمجھ رہے ہیں اور جنگ کے بل بوتے پر وہ مسئلہ کے حل کی کوئی امید نہیں رکھتے۔ جب اس حقیقت کو ذہن میں رکھا جائے کہ اب تک لڑی جانے والی تینوں جنگیں ---- بدر' احد اور خندق ---- خود قریش نے مسلمانوں پر مسلط کی تھیں تو یہ نفسیاتی تبدیلی نہایت معنی خیز اور ان کی شکست خوردگی کی غماز نظر آتی ہے۔ کسی حریف کا شکست خوردگی کا مظاہرہ کر دینا اس کے مفتوح ہونے کی پہلی علامت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں میں ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی جو ان کی کمزوری پر دلالت کرتی ہو۔

2- معاہدہ کی رو سے پہلی بار قریش نے بیت اللہ پر مسلمانوں کا حق تسلیم کر لیا ورنہ اب تک وہ ان کو معاشرے کی روایات کا باغی' وہ قرار دے کر اس کی زیارت سے محروم کرتے رہے تھے۔

3- قریش جب تک مکہ پر مسلط تھے اس وقت تک وہ بہرحال ایک طاقت تھے۔ معاہدہ نے ان کی یہ طاقت متزلزل کر دی جس کو عرب کے ہر قبیلہ نے فوراً محسوس کر لیا اور اس کے اندر مسلمانوں کے قریب ہونے اور ان کے ہاں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی ضرورت کا احساس پیدا ہو گیا۔ صلح کی فضا میں رابطے قائم ہونے سے بے اعتمادی اور مخاصمت کی وہ دیوار منہدم ہو گئی جو قریش نے تعمیر کر رکھی تھی۔ اب عربوں کو مسلمانوں کی معاشرت' حسن معاملہ اور عفت و طہارت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اب اس انقلاب کا مشاہدہ ممکن ہوا جو اسلام نے مسلمانوں کی زندگیوں میں پیدا کر دیا تھا۔ لہٰذا صلح کے اس دور میں اسلام نہایت تیزی سے پھیلا۔

4- معاہدہ کی رو سے قریش نے مسلمانوں کو ملک میں مساوی درجے کی سیاسی قوت تسلیم کر لیا اور ان کو حق دیا کہ وہ عرب قبائل کو حلیف بنا سکتے ہیں۔ اب تک یہ قبائل قریش کی سیادت تسلیم کرتے تھے۔ اطراف مدینہ کے بعض قبائل نے مسلمانوں کے ساتھ غیر جانبداری کے معاہدے تو کئے لیکن وہ برملا طرف دار بننے پر تیار نہیں ہوئے تھے۔ معاہدہ کے بعد ایسے قبائل کے باقاعدہ حلیف بننے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ چنانچہ معاہدہ کی تکمیل کے فوراً بعد بنو خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ کر لیا اور بعد میں دوسرے قبائل کے ساتھ روابط بڑھے۔ بنو خزاعہ کے دشمن قبیلہ بنو بکر نے قریش کی طرف داری کی اور وہ ان کے حلیف کے طور پر معاہدہ میں شامل ہو گئے۔ یہ دونوں قبائل مکہ کے قریب کی وادیوں میں آباد تھے۔

5- جنگ بندی نے قریش کے ہاتھ باندھ دیئے تو مسلمانوں کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ اپنے ان ازلی و ابدی دشمنوں کے خلاف اقدام کر سکیں جو ان کو نقصان پہنچانے کی سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اب ان سازشیوں کو قریش کے تعاون کے بغیر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس اقدام کا پہلا نشانہ یہود خیبر بنے جنھوں نے جنگ احزاب کی آگ بھڑکائی تھی اور ان دنوں وہ غطفان کو مدینہ پر چڑھا لانے کے

منصوبے بنا رہے تھے۔ یہود کو جنگ خیبر میں شکست ہوئی جو باقی تمام قبائل کے لئے چشم کشا تھی کہ اب وہ مسلمانوں سے مخاصمت کا رویہ رکھ کر مامون نہیں ہو سکتے۔

معاہدہ کے ان اثرات کے ہوتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہ تھا کہ عنقریب قریش کے قدموں کے نیچے سے زمین کھسکنا شروع ہو جائے گی' مسلمانوں کی طاقت میں بہت جلد زبردست اضافہ ہو جائے گا اور مکہ کی فتح بہ آسانی ممکن ہو جائے گی۔ قرآن نے اس معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا کیونکہ اس معاہدہ صلح کے بطن ہی سے فتح مکہ نمودار ہونے والی تھی' جیسا کہ آئندہ صفحات سے واضح ہو گا۔

بلا اجازت ولی مدینہ جانے والوں کا معاملہ:

معاہدہ کی جس دفعہ نے مسلمانوں کو سخت رنجیدہ کیا اور قریش کو ایک گونہ برتری کا احساس دلایا وہ بلا اجازت ولی مدینہ جانے والے مسلمانوں کو واپس مکہ بھیجنے کی دفعہ تھی۔ یہ دفعہ ایسی ہی صورت میں مدینہ سے آنے والے کو واپس مسلمانوں کے حوالے کرنے کا پابند نہیں کرتی تھی جس سے معاہدہ میں فریقین میں نا برابری کا احساس پیدا ہوتا تھا۔

اس دفعہ کو شامل معاہدہ کر کے قریش نے اپنے لوگوں کے لئے قبول اسلام میں ایک رکاوٹ کھڑی کرنا چاہی۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک شخص مسلمان ہونے کے بعد مدینہ میں پناہ حاصل نہیں کر سکتا تھا تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ہونے کی مصیبت میں ڈالتا ہی کیوں؟ لیکن قریش کی نظر جس حقیقت پر نہیں گئی وہ یہ تھی کہ اسلام تو ایک عقیدہ اور فکر کا نام ہے۔ انسان کی سوچ پر کوئی پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا۔ اس لئے جو لوگ مسلمان ہوتے وہ مکہ میں رہتے ہوئے بھی مسلمان رہ سکتے اور دوسروں کو اپنا ہم عقیدہ بنا سکتے تھے۔ آخر اس سے قبل مصائب کا مقابلہ کر کے قریش کے کتنے فرزند مسلمان ہوئے جنھوں نے بعد ازاں ہجرت کی۔ نیز یہ دفعہ اس صورت میں بھی قریش کے لئے مفید نہ تھی جب کوئی مسلمان ہونے والا مکہ سے نکل کر مدینہ کی بجائے کسی دوسری جگہ پناہ حاصل کر لیتا یا اس کو اپنی قیام گاہ بنا لیتا۔

دوسری طرف جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے وہ دین کے لئے عظیم قربانیاں دے کر سرفرازی کے ایک اعلیٰ مقام کو پا چکے تھے۔ ان کو اللہ اور اس کے رسول سے حسن انجام کی خوشخبری مل رہی تھی۔ ان میں سے کس کی شامت آئی ہوئی تھی کہ وہ ترک اسلام کر کے قریش کی گرتی ہوئی دیوار کے سایہ میں پناہ لے۔ یہی وجہ ہے کہ معاہدہ کے بعد ہمیں کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ کسی مسلمان نے مکہ جا کر پناہ لی ہو۔

کچھ مدت گزرنے کے بعد یہ دفعہ خود قریش کے لئے مصیبت بن گئی۔ ہوا یوں کہ مکہ کے ایک مسلمان ابو بصیر عتبہ بن اسید مدینہ پہنچ گئے۔ ان کے ولی نے معاہدہ کے تحت ان کو واپس لینے کے لئے بنو عامر کے ایک شخص اور ایک آزاد کردہ غلام کو مدینہ بھیجا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیرؓ کو ان

کے حوالہ کر دیا۔ یہ لوگ ان کو لئے ہوئے مدینہ کی حدود سے نکلے ہی تھے کہ ابو بصیرؓ نے عامری کی تلوار لے کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ مقتول کا ساتھی شکایت لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچا۔ پیچھے پیچھے ابو بصیرؓ بھی آ گئے اور عرض کی' یا رسول اللہ' معاہدہ کے تحت اپنی ذمہ داری آپ نے پوری کر دی۔ خدا کے ہاں اب آپ مسئول نہیں ہیں۔ اپنے دین کی حفاظت کرنا میری ذمہ داری ہے۔ وہ میں جس طرح بہتر سمجھوں گا کر لوں گا۔ یہ کہہ کر ابو بصیرؓ مدینہ سے نکل گئے اور تجارتی شاہراہ پر واقع ایک مقام العیص کے پہاڑوں میں اپنا مستقر بنا لیا۔ قریش کا کوئی قافلہ گزرتا تو چھینا جھپٹی کر کے اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے۔ ان کی مثال مکہ میں رکے ہوئے دوسرے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بنی اور وہ بھی ان کے ساتھ ملتے گئے یہاں تک کہ روایات کے مطابق' ان لوگوں کی تعداد ستر تک پہنچ گئی اور ان کا وجود قریش کے لئے درد سر بن گیا۔ قریش نے اس پریشانی کے خاتمہ کے لئے ایک وفد مدینہ بھیجا تو آنحضرتؐ نے معذرت کر دی کہ یہ لوگ میری عملداری میں نہیں ہیں کہ ان پر کوئی دباؤ ڈال سکوں۔ جب قریش نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے تجویز پیش کی کہ اگر معاہدہ کی متعلقہ دفعہ قلم زد کر دی جائے تو یہ لوگ خود بخود مدینہ آ جائیں گے اور قریش کے لئے مسئلہ نہیں بنیں گے۔ قریش کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور اس طرح متعلقہ دفعہ ف کی باہمی رضامندی سے ختم کر دی گئی۔

معاہدہ کی اس دفعہ کے بارے میں یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ اس کا اطلاق عورتوں پر ہے یا نہیں۔ معاہدہ طے پانے بعد ام کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں تو ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید ان کی واپسی کا لے کر مدینہ پہنچے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مطالبہ یہ کہہ کر رد کر دیا کہ معاہدہ کا اطلاق صرف مردوں پر ہے' عورتوں پر نہیں۔ روایات میں مت دفعہ کے جو الفاظ نقل ہوئے ہیں وہ یوں ہیں۔ **من اتی منھم بغیر اذن ولیہ ردہ الیھم۔** اس جملہ میں تمام ضمیریں مذکر استعمال ہوئی ہیں اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف حقیقت پر مبنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے قریش کو اصرار تھا کہ معاہدہ عورتوں اور مردوں سب کو شامل ہے۔ اس قضیہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے سورہ الممتحنہ میں خود صادر فرمایا اور بیچ کی ایک راہ نکال دی۔ فرمایا کہ مدینہ آنے والی خواتین کے بارے میں پہلے یہ تحقیق کرو کہ وہ صدق دل سے مسلمان ہو چکی ہیں اور محض دین کی خاطر ہجرت کر کے آئی ہیں۔ اگر وہ اپنا مسلمان ہونا ثابت نہ کر سکیں تو ان کو لوٹا دو لیکن اگر وہ مسلمان ہوں تب ان کو ان کے اولیا کے حوالے کرنا جائز نہیں۔ اس صورت میں اگر وہ شادی شدہ ہوں تو شریعت کی رو سے کافر شوہروں نے جو حق مہران کو ادا کیا ہو وہ واپس کر دیا جائے۔

اس طرح قریش کو برتری دلانے والی دفعہ نے خود قریش کے لئے زیادہ مشکلات کھڑی کیں اور خود انھی کی درخواست پر بالآخر اس کو معاہدہ سے نکال دیا گیا۔

عمرہ کی ادائیگی:

معاہدہ کی دفعہ کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس سفر میں عمرہ ادا نہیں کر سکتے تھے لیکن آئندہ سال کے لئے اس کی اجازت مل چکی تھی۔ اس کے لئے آپ نے سفر ٹھیک انھی دنوں میں ذی قعدہ 7ھ میں کیا۔ اس سفر میں تعداد پچھلے عمرہ کی قضا کرنے والوں سے کچھ بڑھ گئی جس کا سبب معاہدہ صلح کے تحت قائم فضا رہی ہو گی۔ احتیاط کے طور پر اسلحہ جنگ ساتھ لے لیا گیا لیکن اس کو حدود حرم سے باہر ایک وادی میں چھوڑ کر اس کی نگرانی کے لئے دو سو گھوڑ سواروں کا ایک دستہ مقرر کر دیا گیا۔ معاہدہ کے مطابق تین دن کے لئے قریشی سردار مکہ سے نکل گئے لیکن روایات کے مطابق شہر کی باقی آبادی نے گلیوں اور گھروں کی چھتوں پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کی آمد کا نظارہ کیا۔ مناسک عمرہ کی ادائیگی اور ہدی کے جانوروں کی قربانی کے بعد تیسرے روز آپ نے حکم دیا کہ شام ہونے سے پہلے پہلے تمام مسلمان مکہ سے نکل جائیں۔ یہ اس رویا کی تکمیل تھی جو حضورؐ نے سال بھر پہلے دیکھی تھی۔ وعدہ خداوندی کے مطابق یہ پورا سفر نہایت بے خوفی کے ساتھ طے ہوا اور کسی طرف سے کوئی شرارت نہیں کی گئی۔

فتح قریب اور مال غنیمت:

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کے صبرو تحمل اور حلم و تدبر کا یہ انعام عطا فرمایا کہ سورہ فتح میں ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب ایک شاندار فتح سے ہمکنار کرے گا جس سے بکثرت مال غنیمت بھی حاصل ہو گا۔ اس فتح کی نوبت حدیبیہ سے واپسی کے دو ماہ بعد آئی۔ یہ خیبر کی فتح تھی۔

خیبر اور اس کے مضافات میں بکثرت یہود آباد تھے۔ مدینہ سے جب بنو نضیر کو کھدیڑا گیا تو وہ بھی اسی علاقے میں آ کر مقیم ہوئے تھے جنگ احزاب کی منصوبہ بندی میں ان کا ہاتھ سب سے زیادہ تھا۔ اس منصوبہ میں ناکامی کے بعد یہود کی سازشیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ انھوں نے شمالی عرب کے مشرک قبائل **غطفان** اور بنو سعد کو ساتھ ملا کر مدینہ پر دوبارہ حملہ کے امکانات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ خبر ملنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرک قبائل کے خلاف شعبان' رمضان اور شوال 6ھ میں سریے بھیجے۔ اس کے بعد حدیبیہ کی مہم کے باعث یہ سلسلہ رک گیا۔ وہاں سے واپسی کے سفر میں سورہ فتح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ایک نئی مہم کا حکم دے گا۔ اس مہم میں صرف وہی لوگ شامل کئے جائیں جنھوں نے بیعت رضوان کی ہے۔ عمرہ کے سفر سے پیچھے رہ جانے والے چاہیں گے کہ نئی مہم میں ان کو بھی شامل کیا جائے لیکن ان کو صاف الفاظ میں کہہ دیا جائے کہ چونکہ تم نے پہلے ہمارا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا لہٰذا اب تمھیں ساتھ لے جانے کی ممانعت نازل ہوئی ہے۔ یہ مضمون سورہ فتح کی آیت 15 میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا۔

"سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتا خذوھا ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدلوا کلام اللہ قل لن تتبعونا کذلکم قال اللہ من قبل' فسیقولون بل تحسدوننا بل کانو الا یفقھون الا قلیلا۔

" جب تم غنیمتیں لینے کے لئے چلو گے تو پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہیں گے کہ ہمیں بھی اجازت دی جائے کہ ہم آپ لوگوں کے ساتھ چلیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات کو بدل دیں۔ کہہ دو' تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے۔ یہی بات تو اللہ نے تم کو پہلے بھی فرمائی تھی! تو وہ کہیں گے کہ بلکہ تم لوگ ہم پر حسد کرتے ہو۔ بلکہ یہی لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔"

محرم 7ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کا زور ختم کرنے کے لئے خیبر پر حملہ کا فیصلہ کیا۔ مذکورہ ہدایات کے مطابق آپ نے صرف بیعت رضوان کرنے والے صحابہ کو ساتھ لیا اور دوسروں کو اس مہم میں شامل نہیں کیا۔ طبقات ابن سعد میں بیان ہوا ہے کہ آپ نے اعلان فرمایا کہ **لا یخرج معنا الا راغب فی الجھاد** (ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ نکلیں جو طالب جہاد تھے) ہمارے خیال میں روایت کردہ ان الفاظ سے وہ مضمون ادا نہیں ہوتا جو مندرجہ بالا آیت میں ہے۔ جہاد کے لفظ سے اشارہ بیعت رضوان کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ راوی نے پورے اعلان کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ روایات میں فوج کی کل تعداد سولہ سو بیان کی گئی ہے جن میں دو سو گھڑسوار تھے۔ یہ وہی تعداد ہے جو حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کی تھی۔

چونکہ **غطفان** اور یہود کی ملی بھگت تھی اور یہ امکان موجود تھا کہ **غطفان** اپنے حلیفوں کی مدد کو آئیں گے' لہذا حضورؐ نے ایک ایسے مقام پر فوج اتاری جو **غطفان** اور خیبر کے راستوں کے سنگم پر تھا۔ **غطفان** نے یہود کی مدد کرنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے گھروں کو لاحق خطرہ کو بھانپ کر انھوں نے اپنے دیار کی حفاظت میں ہی عافیت سمجھی۔

خیبر میں یہود کے چھ قلعے تھے جن میں یہود محصور ہو گئے اور مسلمانوں نے مختلف سپہ سالاروں کی ماتحتی میں تمام قلعے فتح کئے۔ سب سے زیادہ مشکل قلعہ قموص کی فتح میں پیش آئی جس میں یہود کی عسکری قوت بہت زیادہ تھی۔ تمام قلعوں سے کثیر مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔ یہود کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد مفتوحہ زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین پر محنت کے لئے اگر ہمیں مقرر کر دیا جائے تو ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کرتے رہیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ درخواست قبول کی جاتی ہے لیکن یہ واضح رہے کہ یہ انتظام ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ جب ہم چاہیں گے تمہیں یہاں سے جلا وطن کر دیں گے۔

خیبر کے اطراف میں وادی القریٰ اور فدک میں بھی یہود آباد تھے۔ جب مسلمانوں نے ان کے علاقے کا رخ کیا تو وہاں کے یہود نے از خود خیبر والوں کی شرائط پر ہتھیار ڈال دیئے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی اس مشقت کی تلافی فرمائی جو انھوں نے عمرہ کے سفر میں اٹھا کر اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا ثبوت دیا تھا۔

تبصرہ کتب

محبوب سبحانی

اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج

اس بلند پایہ علمی و فکری کتاب کے مخاطبین بنیادی طور پر وہ افراد ہیں جو معاصر مغربی تہذیب کی ہمہ گیری کے باوجود اسلام سے غیر معمولی وابستگی رکھتے ہیں جو انھیں اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ تمام مسائل کا حل اسلام میں دریافت کریں' لیکن باطل کا سحر سر چڑھ کر بول رہا ہے جس سے وہ بہت پریشان ہیں اور اس بات پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں کہ اس سحر کو کس طرح توڑا جائے۔ اس سلسلہ میں فاضل مصنف جناب اسرار عالم نے تین اہم مسائل پر بحث کی ہے۔ وہ ہیں تہذیب مغرب کی حقیقت' اسلام اور معاصر مغربی اقدار کی کشمکش اور اگلی صدی میں اسلام کا لائحہ عمل۔ اس کتاب کو دین و دانش پبلی کیشنز دہلی نے شائع کیا ہے۔ اس کی قیمت 25 روپے ہے۔

مغربی تہذیب اور اس کے فلسفہ پر کتاب میں بڑی سیر حاصل بحث کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ یہ فکر اپنی روح کے اعتبار سے جاہلی ہے جس کی بنیاد یہ فلسفہ ہے کہ

1- حیات انسانی روئے زمین پر مادے کے غیر معمولی' لا معلوم مگر اتفاقی حادثاتی عمل کا نتیجہ ہے۔ اس میں کسی خالق یا صناع کی کاریگری اور منشاء کا کوئی دخل نہیں جس کی وجہ سے حیات انسانی کا یہ سفر ایک آزاد' بے لگام' بے سنگ میل سفر ہے۔

2- انسانی عقل فیصلہ کرنے' خیر و شر میں تمیز کرنے اور اپنے لئے اقدار متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ عقل عقل کل کا حکم رکھتی ہے اور کسی بالاتر رہنمائی کی محتاج نہیں۔

فاضل مصنف کے مطابق اس فلسفہ کی بنیاد پر ابھرنے والی تہذیب نے روئے زمین پر ہر قسم کا فساد برپا کیا ہے۔ ان کے مطابق یہ مہلکات بنیادی طور پر دو قسموں کے ہیں۔ ایک روئے زمین پر نسل انسانی کی بقا اور دوسرا نسل انسانی کی فلاح سے متعلق ہے۔ نسل انسانی کی بقا کے تعلق سے یہ خطرہ ہے کہ اگر انسانوں کی یہی روش برقرار رہی تو اگلی صدی تک روئے زمین نسل انسانی کی بقاء' تعمیر اور افزائش کے قابل نہ رہ جائے گی۔ نسل انسانی کی فلاح کے تعلق سے خطرہ یہ ہے کہ اگلی صدی تک دنیا روحانی' طبعی' نفسیاتی' سیاسی' معاشی' معاشرتی' تہذیبی' ثقافتی اور اخلاقی طور پر چند جباروں یا ایک جابر کی جباریت کی صد فیصد غلام ہو کر رہ جائے گی' لوگوں کے تمام نجی اور اجتماعی حقوق سلب کر لئے جائیں گے اور خدا نا آشنا ظالم افراد کی ایک مختصر سی جمعیت ان پر چنگیزیت کے ساتھ حکومت کرے گی۔ اپنے اس نقطہ نظر کو واضح کرنے کے لئے فاضل مصنف نے امریکہ کے مختلف صدور اور امریکہ' برطانیہ اور اقوام متحدہ کے دانشوروں کی مختلف کمیٹیوں کی رپورٹوں کے حوالے دیئے ہیں۔

کتاب میں واضح کیا گیا ہے کہ دنیا تہذیبی' ثقافتی اور اخلاقی طور پر آج زیادہ غلام ہو گئی ہے۔ انارکی پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ پیدا کی گئی ہے۔ دنیا کے سیاسی اور معاشی نظام کو مخصوص سمت میں چلایا جا رہا ہے اور سیاسی اور معاشی اقتدار کی کلیت قائم کی جا رہی ہے جس کے لئے علم و خبر کے ذرائع کو استعمال کیا جا رہا ہے۔

فاضل مصنف نے دنیا کی تباہی کے ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کے مطابق خدا آشنا اور خدا ترس نظاموں نے قدرت کی نعمتوں کے ساتھ کبھی وہ سلوک نہیں کیا جو نشاۃ ثانیہ کے بعد اس جاہلی نظام نے روا رکھا ہے جسکے نتیجہ میں کرہ ارض کا توازن بگڑ گیا ہے۔ یعنی فضائی آلودگی' زمنی آلودگی' پانی کی آلودگی اور ہلاکت خیز اسلحہ کی تیاری' خاص طور پر کیمیائی اور جراثیمی ہتھیاروں کے ذخائر نے دنیا کو ہلاکت کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہو گا

کتاب میں مختلف مغربی دانشوروں کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ مغرب کے موجودہ سیاسی' معاشی معاشرتی نظام کا بنیادی مقصد انسان کی جسمانی ضروریات اور آسائشوں کو بہتر سے بہتر طریقہ سے اس طرح پورا کرنا ہے کہ اس میں افراط کے علاوہ ایسا تنوع بھی ہو کہ مغربی انسان کی طبیعت میں اکتاہٹ پیدا نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں موجودہ جاہلی نظام کا مقصد تن پروری ہے جس سے روحانیت کو بالکل خارج کر دیا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ خدا کو گھر اور کلیسا میں مقید کر دیا ہے۔

فاضل مصنف نے اس چیلنج کا جواب یہ بتایا ہے کہ امت مسلمہ شہادت علی الناس کا فریضہ انجام دے جس کے لئے ہر خطہ میں اقامت دین پر زور دیا جائے۔ اس کو انہوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا مرحلہ اولی اور دوسرا مرحلہ آخر ہے۔ ان دونوں کے دو دو حلقے باطنی اور ظاہری ہیں جن کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اگرچہ فاضل مصنف کی یہ بات درست ہے کہ عہد حاضر کے چیلنج کے مقابلہ کے لئے شہادت حق انتہائی اہم فرض ہے جو امت مسلمہ پر عائد ہوتا ہے لیکن اس پر ان کی بحث بڑی مختصر اور تشنہ ہے۔ یہ موضوع بذات خود بڑا اہم اور ایک الگ تصنیف کا متقاضی ہے۔ خاص طور پر یہ بات قابل غور ہے کہ تقریباً" دنیا کے ہر حصہ میں مختلف دینی جماعتیں اپنے طور پر کسی نہ کسی شکل میں اقامت دین کا کام کر رہی ہیں لیکن اس کے باوجود طاغوتی طاقتوں کی جبریت برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ مصنف کی یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ موجودہ چیلنج کو اکیسویں صدی کا چیلنج کیوں کہا گیا ہے' حالانکہ یہ چیلنج تو ہمیشہ سے درپیش تھا اور اس وقت بھی درپیش ہے۔

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

		روپے پیسے
1	مجموعہ تفاسیر فراہی	۲۰۰-۰۰
2	حکمت قرآن	۰۰-۰۰
3	اقسام القرآن	۰۰-۰۰
4	ذبیح کون ہے	۰۰-۰۰

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

1	تدبر قرآن: (۹ جلد)	۱۸۰۰-۰۰
	: (فی جلد)	۲۰۰-۰۰
2	مبادی تدبر قرآن	۶۳-۰۰
3	مبادی تدبر حدیث	۶۳-۰۰
4	حقیقت شرک و توحید	۹۰-۰۰
5	حقیقت نماز	۳۹-۰۰
6	حقیقت تقویٰ	۳۹-۰۰
7	تزکیہ نفس: جلد اول (شائع کردہ ملک سنز)	۰۰-۰۰
	: جلد دوم	۷۵-۰۰
8	دعوت دین اور اس کا طریق کار	۷۸-۰۰
9	اسلامی قانون کی تدوین	۴۸-۰۰
10	اسلامی ریاست	۰۰-۰۰
11	اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۴۸-۰۰
12	اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۶۳-۰۰
13	قرآن میں پردے کے احکام	۱۰-۰۰
14	فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	۶۶-۰۰
15	تفہیم دین	۵۴-۰۰
16	مقالات اصلاحی: جلد اول	۸۷-۰۰
	: جلد دوم	۰۰-۰۰
	: جلد سوم	۰۰-۰۰

فاران فاؤنڈیشن

122۔ فیروزپور روڈ، اچھرہ، لاہور۔ 54600۔ پاکستان۔ فون: ۰۴۲-۷۵۸۰۸۰۰